پاکستان کا بجٹ 2013-14ء

خلافت کے زیر سایہ
پاکستان کی معیشت

''خلافت کے زیر سایہ پاکستان کی معیشت کی بحالی
اور بذریعہ اسلام آئی. ایم. ایف اور عالمی بینک کے شکنجے سے آزادی''

حزب التحریر ولایہ پاکستان

فہرست

ابتدائیہ 3
محصولات اور اخراجات 6
صنعت 19
زراعت 27
بجلی 36
افراطِ زر (مہنگائی) 40

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ: پاکستان کی ترقی اور خوشحالی خلافت سے وابستہ ہے

اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ ''کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا''(ابرھیم:28)۔ آج پاکستان اس آیت کا عملی نمونہ بنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس امر کی باوجود کہ اللہ نے پاکستان کو بہترین انسانی اور قدرتی وسائل سے نواز رکھا ہے لیکن پھر بھی پاکستان معاشی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے مسائل میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری، زراعت اور صنعت کا کمزور ہونا، کمر توڑ ٹیکسوں کا نظام، مسلسل بڑھتی مہنگائی اور انتہائی مہنگی بجلی اور اس کی شدید قلت نمایاں ہیں۔

کیانی وشریف حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا بجٹ پاکستان کے کسی بھی مسئلے کو حل نہیں کرسکتا بلکہ یہ انھیں مزید گھمبیر بنادے گا۔ ایسا اس لیے ہوگا کیونکہ 14-2013 کا بجٹ بھی استعماری پالیسیوں کا ہی تسلسل ہے جن کی بنا پر 1947ء سے آج تک پاکستان اپنی بے پناہ استعداد کے باوجود ایک معاشی قوت نہیں بن سکا۔ عالمی بینک اور آئی۔ایم۔ایف جیسے استعماری اداروں کی جانب سے مسلط کردہ پالیسیاں یہ ہیں: ٹیکسوں کی بھرمار کے ذریعے معیشت کا گلا گھوٹنا، استعماری قرضوں اور ان پر ادا ہونے والے سود کے ذریعے پاکستان کو قرضوں کے بوجھ تلے دبائے رکھنا، ریاست کو اہم اور ضروری صنعتوں، کمپنیوں اور مواصلاتی وسائل کی تنظیم اور نگرانی سے دور رکھنا، بھاری اور دفاعی صنعتوں کے قیام سے روکنا تاکہ پاکستان معیشت کے اہم شعبوں میں درآمدات پر انحصار کرتا رہے، زرعی زمین کی ملکیت کو زمین کی کاشتکاری کے ساتھ منسلک کرنے کی کسی بھی کوشش کو روکنا تاکہ وہ مغرب کے زرعی شعبے کے لیے چیلنج نہ بن سکے، اس بات پر اصرار کرنا

کہ کرنسی کو اصل دولت یعنی سونے یا چاندی کی جگہ صرف کاغذ سے منسلک رکھا جائے تا کہ وہ مسلسل اپنی قدر گھوتا رہے اور تیل، گیس، بجلی اور بڑے بڑے قدرتی وسائل کو نجی ملکیت میں دے دینا تا کہ معیشت کو مفلوج کر دیا جائے۔

یہ تباہ کن استعماری پالیسیاں پاکستان کی کسی بھی حکومت کا ایک لازمی عنصر رہا ہے جو کہ پاکستان میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی بنیاد پر حکمرانی کرتی رہی ہیں۔ اور کیانی و شریف کی حکومت بھی ان پچھلی حکومتوں سے کسی بھی طرح مختلف نہیں کیونکہ جمہوریت وہ نظام ہے جس کی ذریعے استعماری طاقتیں اپنے مفادات کی تکمیل کو یقینی بناتیں ہیں۔ 14-2013ء کو پیش کیا جانے والا بجٹ اس کی واضح مثال ہے کہ یہ اس مفاہمتی یاداشت ہی کی ایک شکل ہے جو آئی۔ایم۔ایف اور 17 سے 22 اپریل 2013 تک امریکہ کا دورہ کرنے والے چھ رکنی پاکستانی وفد کے درمیان طے پایا تھا۔ اس وفد میں خزانے اور معیشتی امور کی سیکریٹریز، گورنر سٹیٹ بینک، ایڈیشنل سیکریٹری برائے بیرونی فائنانس اور بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین شامل تھے۔ درحقیقت جمہوریت استعماری سامراج کو ہی نافذ کرتی ہے اور ہماری بدحالی کی بنیادی وجہ ہے۔ جمہوریت اسلام کے مکمل نفاذ کو روکتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ ''اور جس کسی نے میرے ذکر (قرآن) سے منہ موڑا تو اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی'' (طٰہٰ:124)۔

پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جمہوریت کا خاتمہ کیا جائے اور اس مسلم سرزمین پر خلافت کو قائم کیا جائے۔ اسلام کا نفاذ مسلمانوں کی معاشی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی لائے گا۔ حزب التحریر نے اسلام کی معیشت اور اسلامی ریاست کے آئین پر بیش بہا کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ حزب التحریر کے امیر، شیخ عطا بن خلیل ابورَشتہ کی قیادت میں حزب کے پاس ایسے قابل افراد کی زبردست ٹیم موجود ہے جو خلافت کے قیام کے پہلے دن سے ہی ان امور کو اسلام کی احکامات کے مطابق چلانا شروع کر دے گی۔

خلافت میں اسلام کے احکامات کے تحت ٹیکسوں کی بھر مار کے بغیر، معیشت میں موجود وسائل کی ریاستی، عوامی اور نجی ملکیت کی درجہ بندی کے ذریعے وسائل کا رخ زراعت اور صنعتوں کی ترقی کی جانب موڑ دیا جائے گا۔ اسلام اس بات کو لازمی قرار دیتا ہے کہ ایک بھاری صنعتوں کے قیام کے لیے طاقتور بنیاد فراہم کی جائے اور تحقیق و ترقی کے شعبے کی بھرپور سرپرستی کی جائے تا کہ خلافت دنیا کی رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے۔ خلافت کے زیر سایہ زراعت صدیوں تک دنیا بھر کی ضروریات کو پورا کرتی تھی اور ایسا پھر ممکن ہو گا جب پاکستان میں خلافت کے قیام کے بعد زرعی زمین کی ملکیت کو اس کی لازمی کاشتکاری کے ساتھ منسلک کر دیا جائے گا جس کے نتیجے میں دیہی بدحالی کا خاتمہ ہو گا اور امت کی خوراک کی ضروریات کو پورا کرنے کو بھی یقینی بنایا جا سکے گا۔ ریاست کی کرنسی ایک بار پھر سونے اور چاندی کی بنیاد پر ہو گی جو افراطِ زر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تیر بہدف نسخہ ہے۔ اور توانائی کے وسائل کو عوامی ملکیت قرار دے دیا جائے گا تا کہ عوام کو توانائی کے وسائل با آسانی اور سستے داموں میسر آ سکیں۔ لہٰذا خلافت عملی ماڈل پیش کر کے ذریعے دنیا کے سامنے دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کر دے گی کہ جو اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾

اور جو کچھ تجھے اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیاوی حصے کو بھی نہ بھول۔ اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر۔ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے" (القصص:77)

3 شعبان 1434	حزب التحریر
12 جون 2013	ولایہ پاکستان

1) ریاستی محصولات (Revenues) اوراخراجات (Expenditures)

ا) مقدمہ: جمہوریت اور آمریت کے ذریعے معاشی استحکام ممکن نہیں ہے۔ یہ دونوں نظامِ حکومت کرپٹ ہیں کیونکہ یہ نظام محصولات اوراخراجات کے متلعق ایسی پالیسیاں بنانے کی اجازت دیتے ہیں جو استعماری طاقتوں اوران کے ایجنٹ پاکستانی حکمرانوں کے مفادکو پورا کریں۔

ریاست کے خزانے میں محاصل کی اچھی اور بڑی مقدار لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ریاست کے امور جیسے دفاع، صحت اور تعلیم کو چلانے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ لیکن پاکستان کے موجودہ نظام، خواہ جمہوریت ہو یا آمریت دونوں ہی کافر استعماری طاقتوں اور سیاسی وفوجی قیادت میں موجود غدار ایجنٹوں کے چھوٹے سے ٹولے کے معاشی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے عالمی بینک، آئی. ایم. ایف (I.M.F) حکومت کے ساتھ مل کر ٹیکس اور نجکاری کی انتہائی تضحیک آمیز پالیسیاں بنائی جاتی ہیں۔ ان پالیسیوں کے نتیجے میں عوام کو اُن عوامی اثاثوں سے محروم کر دیا جاتا ہے جن سے بہت بڑی مقدار میں محصول حاصل ہوسکتا ہے۔ جبکہ ریاست کے معاملات کو چلانے کے لیے درکار محاصل کا سارا بوجھ عوام پر ڈال دیا جاتا ہے اوران کے لیے ٹیکسوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں معاشی سرگرمیوں پر انتہائی منفی اثر پڑنا شروع ہو جاتا ہے اور عوام کے پاس جو تھوڑی بہت دولت بچتی ہے وہ اس سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اوران کی غربت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ خوراک، لباس، رہائش، روزگار، وراثت، صحت اور تعلیم وہ بنیادی ضروریات ہیں جن کو سب کے لیے یقینی بنایا جانا چاہیے لیکن ان پر ٹیکس لگنے سے یہ چیزیں عوام کے لیے ضرورت کی بجائے مہنگی

آسائش بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں تک ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقم کو خرچ کرنے کا تعلق ہے تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کافر استعماری طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کی ضروریات کو پورا کیا جائے جس کے نتیجے میں عوام کے مسائل کے حل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ حکمرانی میں کون آتا ہے، آیا وہ جمہوری حکمران ہے یا آمر، اس استعماری نظام میں پاکستان کے محاصل اور اخراجات کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مشرف اور شوکت عزیز کے دورِ حکمرانی میں پاکستان کی معاشی خودمختاری کی دھجیاں اڑائی گئیں اور یہ سلسلہ کیانی اور زرداری کے دورِ حکومت میں بھی جاری ہے اور آنے والے نئے ایجنٹ حکمرانوں کے دور میں بھی جاری رہے گا۔ اور ایسا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ جمہوریت اور آمریت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قوانین کو نافذ نہیں کیا جاتا بلکہ انسان اپنی خواہشات کے مطابق قوانین بناتے اور نافذ کرتے ہیں۔

ب) سیاسی اہمیت:

ب1: معاشرے کو عوامی اثاثوں سے حاصل ہونے والے محاصل سے محروم کرنا

سرمایہ داریت، چاہے وہ جمہوریت یا آمریت کسی بھی ذریعے سے پاکستان میں نافذ ہو، نجکاری کے ذریعے ریاست اور عوام دونوں کو عوامی اثاثوں سے حاصل ہونے والے بہت بڑے محاصل کے ذخیرے سے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ تیل، گیس اور بجلی۔ لہٰذا تیل، گیس اور بجلی کے قیمتی اثاثوں کے ملکی اور غیر ملکی مالکان ان اثاثوں سے زبردست محاصل اور منافع حاصل کرتے ہیں۔ آنے والی خلافت ان اثاثوں کو عوامی ملکیت قرار دے کر ان توانائی کے وسائل کو اُن ممالک کو برآمد کرے گی جن کی مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ دشمنی کا تعلق نہ ہو اور یوں کثیر محصول حاصل کرے گی۔ اس طرح سے خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ امت کی اس دولت کو امت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ ان عظیم وسائل سے چند لوگ یا کمپنیاں منافع کمائیں

اور حکومت اِن وسائل پر بڑے بڑے ٹیکس لگا کر عوام کی کمر توڑ دے۔ اس کے علاوہ سرمایہ داریت نجی ملکیت کے تصور کو فروغ دیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ ادارے کہ جن کو بنیادی طور پر ریاست کی ملکیت میں ہونا چاہیے جیسے اسلحہ سازی، بھاری مشینری کی تیاری، ذرائع مواصلات، بڑی بڑی تعمیرات اور ٹرانسپورٹ، ان کا قیام بھی نجی شعبہ کی ذمہ داری بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں عوامی مفادات کے تحفظ پر آنچ آتی ہے۔ آنے والی خلافت انشاٗ اللہ ایسے اداروں کو بنیادی طور پر سرکاری شعبے میں قائم کرے گی اور مقامی نجی کمپنیاں بھی ان شعبوں میں حکومت کی نگرانی میں کام کرسکیں گی تا کہ آج جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں نجی شعبہ کو عوامی مفادات کو پس پشت ڈال دینے کی اجازت دے رکھی ہے اس کا تدارک ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں دنیا میں دولت مند ترین وہ کمپنیاں ہیں جو توانائی، اسلحہ، بھاری مشینری، ادویات اور مواصلات کے شعبوں میں کام کررہی ہیں۔ لہٰذا حکومتوں کے پاس محاصل کے حصول کے لیے صرف ایک ہی حل رہ جاتا ہے کہ لوگوں پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کے لیے سانس لینا بھی دشوار کردے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے معاملے میں ایجنٹ حکمران، استعماری طاقتوں کے ایماء پر غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جیسے مشینری اور دوسرے پیداواری وسائل کی درآمد پر ایکسائز ڈیوٹی کی شرح کو ان کے لیے کم کر کے، منافع پر ٹیکسوں کی چھوٹ، جس کو واپس بھیج کر غیر ملکی معیشت کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ نیز پاکستان کی پیداواری صنعت کو غیر ملکی اداروں کے ہاتھوں تباہ و برباد کرایا گیا ہے کہ جس کا ثبوت خود حکومت کے غیر ملکی سرمایہ کاری کے اعداد و شمار ہیں۔ یہ اعداد و شمار مشرف اور شوکت عزیز کے دور حکومت میں بڑھتے رہے اور زرداری اور گیلانی کی حکومت میں بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔

ب 2: ملک کی بڑی اکثریت پر ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر انھیں بدحال کیا جا رہا ہے جبکہ چند لوگ امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں

آئی. ایم. ایف (I.M.F) کے زیرِ نگرانی مشرف اور شوکت عزیز کے دورِ حکومت اور

کیانی اور زرداری حکومت کے دوران بھی آمدنی اور اشیاء کی خریداری اور ان کے استعمال پر بہت بڑی تعداد میں ٹیکسوں کی بھر مار نے پاکستان کی معیشت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ 88-1987 میں کل محاصل 117,021 ملین، 03-2002 میں 706,100 ملین اور 12-2011 میں 2,535,752 ملین روپے تھے۔ ان محاصل میں سے براہ راست ٹیکسوں (Direct Taxes) یعنی انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس اور کورپوریٹ ٹیکس کی مد میں 88-1987 میں 12,441 ملین روپے حاصل ہوئے اور پھر 03-2002 میں بڑھ کر 153,072 روپے اور 12-2011 میں 745,000 ملین روپے حاصل ہوئے۔ ان اعداد و شمار سے یہ واضح ہے کہ پہلے براہ راست ٹیکس کل محاصل کا 10 فیصد تھے جو بڑھ کر 20 فیصد اور پھر کیانی زرادی کے دور حکومت میں 12-2011 میں یہ کل محاصل کا 29 فیصد تک ہو گئے۔

اس کے علاوہ صرف انکم ٹیکس، جو کہ ریاست کے لیے محصول کا ایک اہم زریعہ ہے، 88-1987 میں اس کا کل محاصل میں حصہ 17 فیصد تھا جو 03-2002 میں 32 فیصد تک پہنچ گیا تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ ملازمت پیشہ افراد پر ٹیکس کا بوجھ بڑھتا گیا جس نے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔ جب تک یہ کرپٹ نظام چلتا رہے گا چاہے کوئی بھی حکومت میں آ جائے صورتحال مزید خراب ہی ہوگی۔ حکومت نے 12-2011 میں صرف انکم ٹیکس کی مد میں 730,000 ملین روپے اکٹھے کیے جو 03-2002 میں حاصل ہونے والے کل محاصل کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ 13-2012 کے بجٹ میں حکومت نے انکم ٹیکس کی مد میں اکٹھی ہونے والی رقم کا ہدف 914,000 ملین روپے رکھا ہے لیکن اس کے باوجود حکومت مزید ٹیکس لگانے کا اعلان کر رہی ہے جو دراصل مغربی استعماری طاقتوں کے مطالبے کے عین مطابق ہے تاکہ معیشت میں جو تھوڑا بہت باقی رہ گیا ہے اس کو بھی نچوڑ لیا جائے۔

اس کے علاوہ بلواسطہ ٹیکسوں (Indirect Taxes) کو دیکھا جائے، جن میں ایکسائز، بین الاقوامی تجارت پر ٹیکس، سیلز ٹیکس، گیس اور پیٹرولیم کی مصنوعات پر سرچارج اور اس

کے علاوہ سٹامپ ڈیوٹی، بیرون ملک سفر پر ٹیکس، موٹر وہیکل ٹیکس وغیرہ شامل ہیں، ان ٹیکسوں کی مد میں 88-1987 میں 81,015 ملین روپے جمع ہوئے جو 03-2002 میں بڑھ کر 397,875 ملین ہو گئے۔ صرف سیلز ٹیکس کی مد میں حاصل ہونے والی رقم 87-1988 میں کل محاصل کا 9 فیصد تھی جو مشرف اور شوکت عزیز کے دور حکومت میں 43 فیصد تک پہنچ گئی۔ اس سیلز ٹیکس کی وجہ سے لوگوں کے لیے ادویات، خوراک اور زراعت اور صنعت کی پیداوار میں استعمال ہونے والے خام مال کی خریداری اس حد تک تکلیف دہ بن گئی ہے کہ ان کے لیے معیشت میں اپنا حصہ ڈالنا اور اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس قسم کی ٹیکس پالیسی معاشرے میں دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کا باعث بنتی ہے اور معاشرے کا وہ طبقہ جو سیڑھی کی سب سے نچلی جگہ پر ہے بری طرح سے متاثر ہوتا ہے کہ وہ کیا کمائے اور کیا خرچ کرے۔ اس صورتحال کے تسلسل کے نتیجے میں زراعت اور صنعتی شعبہ مزید تباہ ہو جاتا ہے اور چند لوگوں کے ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز مزید بڑھتا ہے۔ اور اگر یہی نظام جاری وساری رہا تو یہ صورتحال مزید خراب تر ہوتی جائے گی۔ حکومت نے 12-2011 میں جنرل سیلز ٹیکس کی مد میں 852,030 ملین روپے اکٹھے کیے تھے اور 13-2012 کے بجٹ میں اس کا ہدف بڑھا کر 1,076,500 ملین روپے کر دیا ہے!

اس سرمایہ دارانہ نظام نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ صرف سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کی مد میں حاصل ہونے والی رقم حکومت کے کل محاصل کا 60 فیصد بن جاتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ حکومت کے لیے درکار محاصل کا بہت بڑا حصہ عوام کے حق پر ڈاکہ ڈال کر حاصل کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں وہ ضروری اشیاء کی خریداری سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ کرپٹ نظام اسی قسم کی خرابی کو ہی پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کو بنایا ہی اس طرح گیا ہے کہ وہ عوام کی ضروریات سے غفلت برتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو اس نظام میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ کیا جائے۔ جہاں تک انکم ٹیکس کا تعلق ہے، تو یہ نظام اس ٹیکس کے ذریعے لوگوں کی اس محنت کی کمائی پر ٹیکس لگاتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی بنیادی

ضروریات اور چند آسائشوں کی تکمیل کی امید رکھتے ہیں بجائے اس کے کہ اُن کی اس فاضل دولت پرٹیکس لگتا جوان کی بنیادی ضروریات اور چند آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد بچتی ہے۔ اسی طرح سیلزٹیکس کی صورت میں بھی ان اشیاء پرٹیکس لگایا جاتا ہے جوکہ لوگوں کی بنیادی ضروریات اور چند آسائشوں کو پورا کرنے کی اشیاء ہیں بجائے اس کے کہ صرف لوگوں کی اس فاضل دولت پرٹیکس لگتا جوان کی بنیادی ضروریات اور چند آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد بچتی ہے۔ اس تمام تر صورتحال کے باوجود غدار ایجنٹ حکمران اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ یہ نظام ''عوام کے لئے(for the people)'' ہے۔ اس کے برعکس خلافت میں نہ تو انکم ٹیکس ہوتا ہے اور نہ ہی سیلزٹیکس، کیونکہ بنیادی طور پرنجی ملکیت ''نا قابل دستِ اندازی'' ہے۔ ٹیکس صرف اس فاضل دولت پرلگتا ہے جو بنیادی ضروریات اور چند آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد بچتی ہے اور یہ ٹیکس بھی ریاست انتہائی سخت شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہی عائد کرسکتی ہے۔ کم ٹیکس کی یہ پالیسی اس لیے ممکن ہوتی ہے کیونکہ ریاست خلافت کے پاس عوامی اور ریاستی اثاثوں سے محاصل کے حصول کا ایک بہت بڑا ذریعہ موجود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مزید محصول کے لیے زرعی اور صنعتی شعبے سے ٹیکس حاصل کرنے کے لیے منفرد قوانین کا ایک نظام بھی موجود ہوتا ہے۔

ب3: موجودہ نظام میں ریاستی اخراجات میں استعماری طاقتوں اور ان کے ایجنٹ حکمرانوں کے مفادات کی تکمیل کوفوقیت دی جاتی ہے

امت کواس کے محاصل کے ذرائع سے محروم کرنے ،نیز کمانے اور خرچ کرنے کی صلاحیت کومحدود کرنے کے بعد،حکومت استعماری مما لک سے سودی قرضے حاصل کرتی ہے۔ یہ قرضے بنیئے سے حاصل کردہ قرضوں کی مانند ہوتے ہیں جن کا مقصد پاکستان کوقرضوں کے بوجھ تلے دبا کر رکھنا ہے تا کہ ان قرضوں کی ادائیگی کے نام پر پاکستان کے قیمتی اثاثوں کوہتھیا لیا جائے اور پاکستان کواس قابل ہی نہ چھوڑا جائے کہ وہ کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑا اور مغربی استعمار کے لیے کوئی چیلنج بن سکے۔ پاکستان کا کل قرضہ 2000-1990 کے عرصے میں 15,451 ارب

ڈالر تھا جبکہ اس عرصے کے دوران 36,111 ارب ڈالر ادا بھی کیے گئے۔ کئی دہائیوں سے پاکستان ہر سال تقریباً 3.66 بلین ڈالر سالانہ ادا کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا بیرونی قرضہ دوگنا ہو چکا ہے اور ہر گزرتی دہائی کے ساتھ صورتحال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ وزارتِ مالیات کے پاکستان اکنامک سروے کے مطابق مارچ 2012 کے اختتام پر پاکستان کے ذمہ صرف ایک استعماری ادارے آئی.ایم.ایف کا قرضہ 8.1 ارب ڈالر تک پہنچ چکا تھا۔ اب پاکستان اپنے بجٹ کا 35 فیصد قرضوں کی ادائیگی پر خرچ کرتا ہے جو 12-2011 کے 30 ارب ڈالر کے بجٹ میں 11 ارب ڈالر بنتی ہے۔ یہ وہ رقم ہے جس کو معیشت سے نکال لیا جاتا ہے حالانکہ جس کے ذریعے لوگوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے اور ان کو کئی سہولیات پہنچائی جاسکتی ہیں۔ یہ ہے عالمی انصاف کہ پاکستان کی طرح دنیا کے کئی ممالک اپنے قرضوں سے کئی گنا زیادہ رقم ادا کر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود سود اور استعماری ممالک کی شرائط کی وجہ سے ان کا قرض کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔

ج) معیشت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے سے متعلق قانونی احکامات

ج1: محاصل اور اخراجات پر ایک طائرانہ نگاہ:

سرمایہ دارانہ نظام کی مانند اسلام آمدن اور اخراجات پر ٹیکس کو محاصل کے حصول کا بڑا ذریعہ نہیں بناتا۔ اس کے محاصل کی بنیاد بنیادی ضروریات اور چند آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد بچنے والی فاضل دولت اور اصل پیداوار ہے۔ خلافت صرف سخت شرائط کے ساتھ ہی ٹیکس لگا سکتی ہے اور یہ ٹیکس بھی صرف اخراجات کے بعد جمع ہونے والی دولت پر لگتا ہے، لہٰذا ان لوگوں پر ٹیکس لگ ہی نہیں سکتا جو غریب ہیں یا اپنی بنیادی ضروریات کو بھی پورا نہیں کر سکتے۔ یہ اس لیے ممکن ہے کیونکہ ایک تو ریاستِ خلافت عوامی اور ریاستی اثاثوں، جیسے توانائی کے وسائل، بھاری مشینری کے اداروں سے بہت بڑی تعداد میں محاصل حاصل کر سکے گی اور دوسرے اسلام کے وہ منفرد قوانین جس کے نتیجے میں معاشرے میں دولت کا ارتکاز نہیں ہوتا بلکہ اس کی منصفانہ تقسیم

میں اضافہ ہوتا ہے، محاصل کے حصول کو یقینی بناتے ہیں۔ حزب التحریر نے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 148 میں اعلان کیا ہے کہ ''ریاستی بجٹ کے دائمی ابواب (مدات) ہیں جن کو شرع نے متعین کیا ہے۔ جہاں تک بجٹ سیکشنز کا تعلق ہے یا ہر سیکشن میں کتنا مال ہوتا ہے یا ہونا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر سیکشن میں موجود مال سے متعلقہ امور کا تعلق خلیفہ کی رائے اور اجتہاد پر منحصر ہے''۔ اور دستور کی دفعہ 149 میں لکھا ہے کہ ''بیت المال کی آمدن کے دائمی ذرائع مندرجہ ذیل ہیں: فئے، جزیہ، خراج، رکاز کا خمس (پانچواں حصہ) اور زکوٰۃ۔ ان اموال کو ہمیشہ وصول کیا جائے گا خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو''۔ اور دفعہ 151 میں لکھا ہے کہ ''وہ اموال بھی بیت المال کی آمدن میں شمار ہوتے ہیں جو ریاست کی سرحدوں پر کسٹم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں یا عوامی ملکیت اور ریاستی ملکیت سے حاصل ہوتے ہیں یا ایسی میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو یا پھر مرتدوں کے اموال''۔

ج2 صنعتی شعبہ محاصل کے حصول کا ایک ذریعہ ہے:

خلافت میں صنعتی شعبہ تیزی سے ترقی کرے گا۔ صنعتی پیداوار کے لیے درکار اشیاء جیسے مشینری اور توانائی پر مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر صنعتی شعبے کو مفلوج نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ریاست تجارت سے حاصل ہونے والے منافع سے محاصل حاصل کرے گی۔ اس عمل کے نتیجے میں کاروباری حضرات کو بغیر کسی رکاوٹوں کے پیداوار پر توجہ مرکوز کرنے کا بھرپور موقع میسر ہوگا اور وہ اپنے منافع یا جمع شدہ دولت پر حکومت کو محاصل دیں گے جس کے نتیجے میں دولت کی گردش کو یقینی بنانے میں مدد ملے گی۔ حزب التحریر نے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 143 میں اعلان کیا ہے کہ ''مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ زکوٰۃ ان اموال پر لی جائے گی جن پر زکوٰۃ لینے کو شریعت نے متعین کر دیا ہے جیسا کہ نقدی، تجارتی مال، مویشی اور غلہ۔ جن اموال پر زکوٰۃ لینے کی کوئی شرعی دلیل نہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب شخص سے لی جائے گی خواہ وہ مکلّف ہو جیسا کہ ایک عاقل بالغ مسلمان یا وہ غیر مکلّف ہو جیسا کہ بچہ اور مجنون۔

زکوۃ کو بیت المال کی ایک خاص مد میں رکھا جائے گا اور اس کو قرآن کریم میں وارد ان آٹھ مصارف میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد کے علاوہ کہیں اور خرچ نہیں کیا جائے گا''۔

ج3: زراعت: خراج محصول کا طریقہ ہوگا لیکن یہ کاشتکاروں پر بوجھ نہیں ہوگا:

اسلام کے زیر سایہ برصغیر، جو کہ ایک زرعی معاشرہ تھا، دنیا کی کل پیداوار کا 25 فیصد پیدا کرتا تھا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ خراج کا نظام تھا۔ خراج کے نظام کے تحت زمین کی ملکیت تمام مسلمانوں کی ہوتی ہے لیکن اس زمین کو استعمال کرنے کا حق اور اس سے حاصل ہونے والی منفعت زمین کو کاشت کرنے والے کی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو اس زمین کو کاشت کرتا ہے وہی اس زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کا مالک بھی ہوتا ہے۔ اس نظام نے پیداوار میں اضافہ کیا اور دولت کی تقسیم کو یقینی بنایا۔ اس زمین کے استعمال کے عوض اور اس زمین کی استعداد کے مطابق مسلمانوں نے اس زمین سے ریاست کے لیے محصول حاصل کیا۔ برطانوی راج میں جب سرمایہ دارانہ نظام رائج کیا گیا تو کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے، پھر ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ سودی قرض حاصل کریں جس کے نتیجے میں کاشتکار قرضوں تلے دب گئے اور آخر کار انھیں اپنی زمینیں بیچنی پڑیں۔ اس کے علاوہ استعماری طاقت نے اپنے لیے اور اپنے حواریوں کے لیے زمینوں پر زبردستی قبضہ بھی کیا۔ آج بھی زرعی شعبہ سرمایہ داریت کی وجہ سے نقصان برداشت کر رہا ہے اگرچہ اس تمام صورتحال کے باوجود پاکستان کی بچ جانے والی زراعت کئی شعبوں میں اب بھی دنیا میں بے مثال ہے اور اس میں اتنی استعداد ہے کہ یہ بہت تیزی سے پھل پھول سکتی ہے۔ کاشتکاروں پر زرعی پیداوار کے لیے درکار اشیاء جیسے کھاد، بیج، مشینری اور تیل پر بھاری ٹیکس عائد ہیں۔ جس کے بعد انھیں اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے منافع میں اضافے کے لیے اپنی پیداوار بیرون ملک برآمد کریں۔ اس عمل کے نتیجے میں پاکستان کو نقصان ہوتا ہے اور پاکستان کو وہی اشیاء مہنگے داموں درآمد کرنا پڑتی ہیں جو وہ خود بہت بڑی تعداد میں پیدا کر سکتا ہے۔ اسلام میں محصول کو زرعی پیداوار کے لیے درکار اشیاء پر ٹیکس لگا کر حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ زمین سے حاصل

ہونے والی پیداوار سے حاصل کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سستے خام مال کی وجہ سے کاشتکار کو اس بات کی ترغیب ملتی ہے کہ وہ پیداوار میں اضافہ کرے۔ جیسا کہ حزب التحریر نے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 145 میں اعلان کیا ہے کہ"خراجی زمین پر خراج اس زمین کے مطابق لیا جائے گا جبکہ عشری زمین پر زکوۃ اس کی عملی پیداوار پر لی جائے گی"۔

ج4: ریاست کو ٹیکس لگانے کا بنیادی اختیار نہیں ہے بلکہ وہ چند کڑی شرائط کو پورا کر کے ہی ٹیکس لگا سکتی ہے:

اسلام نے افراد کی نجی ملکیت کو تحفظ فراہم کیا ہے اور بغیر شرعی جواز کے اس میں سے کچھ بھی لینے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا ریاستِ خلافت میں مجبوری میں ہی ٹیکس لگایا جاسکتا ہے اور وہ بھی کڑی شرائط کو پورا کرنے کے بعد مثلاً جو محصول شریعت نے عائد کیے ہیں اگر وہ ریاست کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہیں تو صرف اُن افراد کی اُس فاضل دولت پر ٹیکس لگایا جاسکتا ہے جو ان کی بنیادی ضروریات اور معاشرتی معمول کے مطابق ان کی آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد بچتی ہے۔ لہٰذا اسلام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ لوگوں کی محنت کی اُس کمائی پر ٹیکس نہ لگے جو ان کی بنیادی ضروریات اور معاشرتی معمول کے مطابق ان کی آسائشوں کو پورا کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے جبکہ سرمایہ داریت میں انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس کی صورت میں کم صاحبِ حیثیت اور معمولی آمدنی رکھنے والے لوگوں پر بھی ٹیکس لگا کر انہیں سزا دی جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کا ٹیکس کا نظام اس بات کو یقینی بنائے گا کہ دولت معاشرے میں گردش کرے نہ کہ چند ہاتھوں میں جمع ہوجائے۔ پاکستان میں سب سے امیر تیس افراد کی دولت تقریباً 15 ارب ڈالر ہے اور یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو ظاہر کیے گئے ہیں۔ صرف انہی تیس افراد پر 30 فیصد ٹیکس ریاست کے لیے 4.5 ارب ڈالر کے محصول کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا دولت مندوں پر ہنگامی صورتحال میں شرعی احکامات کے مطابق عائد کیے گئے اس ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقم کو ایمرجنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ،جیسا کہ غریبوں کی

خوراک کی ضروریات کو پورا کرنے یا زلزلہ کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے ازالے کے لیے۔ اس کے علاوہ ریاستِ خلافت اپنے عوام سے مختلف منصوبوں کے لیے رضا کارانہ بنیادوں پر قرضہ بھی حاصل کرسکتی ہے اور یہ امت اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے آج بھی بغیر کسی ریاستی تعاون کے خود کئی ایسے منصوبوں پر مال خرچ کر رہی ہے۔ حزب التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 150 میں اعلان کیا ہے کہ ''بیت المال کی دائمی آمدنی اگر ریاست کے اخراجات کے لیے ناکافی ہو تب ریاست مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرے گی اور یہ ٹیکس کی وصولی ان امور کے لیے ہے: (ا) فقراء، مساکین، مسافر اور فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لیے بیت المال کے اوپر واجب نفقات کو پورا کرنے کے لیے۔ (ب) ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جنہیں پورا کرنا بیت المال پر بطورِ بدل واجب ہے جیسے ملازمت کے اخراجات، فوجیوں کا راشن اور حکام کے معاوضے۔ (ج) ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جو مفادِ عامہ کے لیے بغیر کسی بدل کے بیت المال پر واجب ہیں۔ جیسا کہ نئی سڑکیں بنوانا، زمین سے پانی نکالنا، مساجد، اسکول اور ہسپتال بنوانا۔ (د) ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جو بیت المال پر کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے واجب ہوں جیسے ہنگامی حالت میں قحط، طوفان اور زلزے وغیرہ کی صورت میں''۔ اور دفعہ 146 میں لکھا ہے کہ ''مسلمانوں سے وہ ٹیکس وصول کیا جائے گا جس کی شرع نے اجازت دی ہے اور جتنا بیت المال کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو۔ شرط یہ ہے کہ یہ ٹیکس اس مال پر وصول کیا جائے گا جو صاحبِ مال کے پاس معروف طریقے سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد زائد ہو اور یہ ٹیکس ریاست کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی بھی ہو''۔ اس کے علاوہ دفعہ 147 میں لکھا ہے کہ ''ہر وہ عمل (کام) جس کی انجام دہی کو شرع نے امت پر فرض قرار دیا ہے اگر بیت المال میں اتنا مال موجود نہ ہو جو اس فرض کام کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو تب یہ فرض امت کی طرف منتقل ہوگا۔ ایسی صورت میں ریاست کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ امت سے ٹیکس وصول کر کے اس ذمہ داری کو پورا کرے''۔

د5: ریاستی اخراجات کے لیے رہنما اصول

خلافت ریاستی اموال،عوامی اثاثوں کے ذریعے نیز زراعت اور صنعتوں کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبائے بغیر اور دولت مندوں کی فاضل دولت پر ٹیکس لگا کر اکٹھا کرتی ہے۔ جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے تو اسلام ریاست کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ ہر اس چیز پر خرچ کرے جو لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے لیے ضروری ہے۔ یقینی طور پر خلافت استعماری طاقتوں کی قائم کردہ مجرم تنظیموں اور اداروں کو مزید رقم کی ادائیگی نہیں کرے گی جبکہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہم دیگر کئی ممالک کی طرح اصل رقم کئی بار ادا کر چکے ہیں۔ حزب التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 152 میں اعلان کیا ہے کہ''بیت المال کے نفقات (اخراجات) کو چھ مصارف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (ا) وہ آٹھ مصارف جو زکوٰۃ کے اموال کے مستحق ہیں ان پر زکوٰۃ کی مد سے خرچ کیا جائے گا۔ (ب) فقراء، مساکین، مسافر اور جہاد فی سبیل اللہ اور قرضداروں پر خرچ کرنے کے لیے اگر زکوٰۃ کے شعبے میں مال نہ ہو تو بیت المال کی دائمی آمدنی سے ان پر خرچ کیا جائے گا۔ اگر اس میں بھی کوئی مال نہ ہو تو قرضداروں کو تو کچھ نہیں دیا جائے گا لیکن فقراء، مساکین، مسافر اور جہاد کے لیے ٹیکس نافذ کیا جائے گا۔اگر ٹیکس عائد کرنے سے فساد کا خطرہ ہو تو قرض لے کر بھی ان حاجات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ (ج) وہ اشخاص جو ریاست کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں جیسے ملازمین، افواج اور حکمران، ان پر بیت المال کی آمدن میں سے خرچ کیا جائیگا۔ اگر بیت المال میں موجود مال اس کام کے لیے کافی نہ ہو تو ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس لگایا جائے گا اور اگر فساد کا خوف ہو تو قرض لے کر یہ ضروریات پوری کی جائیں گی۔ (د) بنیادی ضروریات اور مفادات عامہ جیسے سڑکیں، مساجد، ہسپتال، سکول وغیرہ پر بیت المال میں سے خرچ کیا جائے گا۔ اگر بیت المال میں اتنا مال نہ ہو تو ٹیکس وصول کر کے ان ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔ (و) اعلیٰ معیارِ زندگی مہیا کرنے کے لیے بھی بیت المال سے مال خرچ کیا جائے گا اگر بیت المال میں مال کافی نہ ہو تو پھر ان پر کچھ خرچ نہیں کیا جائے گا اور ایسے اخراجات کو

مؤخر کیا جائے گا۔ (ہ) اتفاقی حادثات یا ہنگامی حالات جیسے زلزلے، طوفان وغیرہ کی صورت میں بھی بیت المال سے مال خرچ کیا جائے گا۔ اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو قرض لے کر خرچ کیا جائے گا پھر ٹیکس وصول کر کے وہ قرض ادا کیے جائیں گے"۔

نوٹ: خلافت کے قیام کے فوراً بعد اس پالیسی کو نافذ کیا جائے گا۔ اس پالیسی کے قرآن وسنت سے تفصیلی دلائل جاننے کے لیے حزب التحریر کی جانب سے جاری کیے گئے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعات 143 سے 152 تک، کی طرف رجوع کریں۔ متعلقہ آئینی دفعات کو دیکھنے کے لیے اس ویب سائٹ لنک کو دیکھیں:

http://htmediapak.page.tl/policy-matters.htm

د) پالیسی: محصول اور اخراجات کا مقصد دنیا کی صفِ اول کی ریاست کو مزید آگے لے جانا:

د1: تیل، گیس اور بجلی کے عوامی اداروں، اس کے علاوہ ریاستی ملکیت میں چلنے والے بھاری مشینری اور اسلحے کے کارخانوں اور مواصلات اور ٹرانسپورٹ کے شعبوں کے ذریعے بہت بڑی تعداد میں محاصل کا حصول۔

د2: صنعت اور زراعت کے شعبوں کے لیے درکار اشیاء پر ٹیکس کا خاتمہ جو ان کی پیداوار کو مفلوج کرتا ہے۔ صنعتی شعبے سے پیدا ہونے والی اشیاء کی تجارت پر ہونے والے منافع اور زراعت سے ہونے والی پیداوار پر شریعت کے احکامات کے مطابق محصول لیا جائے گا۔

د3: مغربی سرمایہ دارانہ اداروں کے قرضوں کی واپسی ختم کردی جائے گی کیونکہ ان قرضوں کو ظالمانہ سود سمیت کئی بار ادا کیا جاچکا ہے۔ اخراجات کو مسلمانوں کی ضروریات اور ان کے مفادات کے حصول کو مدنظر رکھ کر کیا جائے گا جس میں ریاست کو طاقت اور خوشحال بنانے کے لیے مضبوط صنعتی شعبے کے قیام کے لیے خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

صنعت:

الف) مقدمہ: جمہوریت و آمریت نے استعماری پالیسیوں کے نفاذ کے ذریعے پاکستان کو ایک صنعتی طاقت بننے سے محروم رکھا ہے

الف 1: اس بات کے باوجود کہ پاکستان کے پاس وسیع معدنی ذخائر اور نوجوان اور محنتی لوگ موجود ہیں اور اپنی استعداد کی بنا پر اس کا شمار ''آنے والی گیارہ معیشتوں'' میں کیا جاتا ہے، اس کے باوجود آزادی سے لے کر آج تک اس کے صنعتی شعبے کی حالت انتہائی کمزور رہی ہے۔ ساٹھ اور ستر کی دہائی کی صنعتی ترقی محض بنیادی اور سادہ صنعتی شعبے کی ترقی تھی جس میں بھاری صنعتوں کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ صنعتی شعبے میں ترقی جو 1980 میں 8.2 فیصد تھی 1990 میں کم ہو کر پہلے 4.8 فیصد اور پھر 3.2 فیصد رہ گئی۔ 97-1996 میں صنعتی شعبے کی ترقی منفی 0.1 فیصد اور 2000-1999 میں 1.5 فیصد ہوگئی۔ 1990 کی دہائی میں نجی سرمایہ کاری 10 فیصد سے کم ہو کر 8 فیصد ہوگئی اگرچہ اس دوران صنعتی شعبے میں غیر ملکی سرمایہ کاری میں اضافہ ہوا جیسا کہ براہ راست بیرونی سرمایہ کاری (FDI) کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے۔ 1990 کی دہائی میں بڑی صنعتوں میں نجی شعبے کی سرمایہ کاری میں 60 فیصد کمی واقع ہوئی۔ اس دوران ایک کے بعد ہر آنے والے دوسری حکومت نے غیر ملکی کمپنیوں کو پاکستان میں تیل و گیس کی پیداوار، ریفائنیریز اور بجلی کے کارخانوں کے قیام میں ہر طرح کی مدد فراہم کی اور ان سے حاصل ہونے والے عظیم منافوں کو بیرون ملک لے جانے کی اجازت دی لیکن دوسری جانب نجی کمپنیوں کی راہ میں روکاوٹیں ڈالی گئی یہاں تک کہ ایک عام سی صنعت کے قیام کے لیے بھی پہلے بائیس Non Objection Certificates کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ ٹیرف کی شرح میں زبردست کمی کی گئی۔ 1986 میں ٹیرف کی شرح 225 فیصد تھی جس کو کم کر کے 20 فیصد کر دیا گیا جس کے نتیجے میں بیرونی کمپنیوں کا مال ہماری مارکیٹ میں ہر طرف چھا گیا۔ لہذا آج یہ کوئی حیران کن امر نہیں

ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں کارخانوں کو بیمار قرار دے دیا گیا ہوا ہے اور بحیثیت مجموعی مقامی صنعتوں کی پیداوار تاریخ کی کم ترین سطح پر ہے جبکہ غیر ملکی کمپنیاں ہماری معیشت پر اپنا قبضہ مضبوط کر رہی ہیں۔

الف 2: جمہوریت کبھی پاکستان کو اس کی استعداد کے مطابق مقام حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے گی کیونکہ جمہوریت مغربی استعماری پالیسیاں نافذ کرتی ہے۔ دنیا کے وسائل لوٹنے والی استعماری طاقتیں یہ چاہتیں ہیں کہ پاکستان کا صنعتی شعبہ کمزور رہے جو خود سے اپنے معدنی وسائل کو نکالنے اور بھاری صنعتوں جیسے انجن یا جیٹ انجن سازی کی صلاحیت سے محروم رہے، عام سی سادہ زرعی مشینری بھی درآمد کرنے پر مجبور رہے، سستی اور عام سی صنعتی اشیائ جیسے بجلی کے پنکھے، آلات جراحی، کھیلوں کا سامان وغیرہ مغربی ممالک کو برآمد کرتا رہے اور پاکستان کو مغربی ممالک کی صنعتی پیداوار کی کھپت کی ایک عظیم مارکیٹ بنا کر رکھا جائے۔ وسیع بے روزگاری، مہنگی اشیائ، ہتھیاروں کے لیے مغربی ممالک کی ٹیکنالوجی پر انحصار ،امت کے عظیم بیٹوں اور بیٹیوں کا مغربی ممالک کا رخ کرنا، یہ وہ چند علامات ہیں جو استعماری پالیسوں کے تسلسل کا نتیجہ ہیں۔ یہ استعماری پالیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے وقت سے جاری ہے اور آج بھی جمہوریت کے ذریعے نافذ العمل ہے۔ جمہوریت محض ایک ربر اسٹاپ ہے جو عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی استعماری پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔

ب) سیاسی اہمیت: صنعتی ترقی کے احیائ کے لیے استعماری بندھن اور پابندیوں کو توڑنا

ب 1: ایک طاقتور صنعتی شعبے کے قیام کے لیے لازمی ہے کہ فوجی صنعت پر توجہ مرکوز کی جائے۔ امریکہ اور چین دنیا کے طاقتور ترین صنعتی ممالک ہیں کیونکہ ان دونوں نے جنگی صنعتوں پر توجہ مرکوز کی جس میں سٹیلتھ ٹیکنالوجی، سپر کمپیوٹرز اور خلائی ٹیکنالوجی بھی شامل ہے۔ جنگ عظیم دوئم سے قبل جاپان اور جرمنی نے جنگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جس صنعتی پالیسی کو اختیار کیا تھا وہ پالیسی آج تک انھیں فائدہ پہنچا رہی ہے۔ کارسازی کے شعبے میں ان کی ترقی دراصل ٹینک، بکتر بند گاڑیوں اور جیٹ انجن سازی کے تجربے کی مرہون منت ہے۔ عام استعمال کی اشیائ میں پیدا کی گئی جدت دراصل فوجی وخلائی ٹیکنالوجی کے ثمرات ہیں جیسا کہ کیچن میں استعمال ہونے والی اشیائ، فرائی پین میں ٹیفلون کا ستعال اور انٹرنیٹ کا نظام۔ لیکن اس

بات کے باوجود کہ پاکستان نے ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت پیدا کی، استعماریت کی وجہ سے پاکستان کو طاقتور صنعتی شعبے کے قیام سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس کی افواج دشمن ممالک سے فوجی ساز وسامان حاصل کرنے پر مجبور ہیں اور معیشت کے اہم شعبے ٹیلی کمیونی کیشن سے لے کر انجن سازی اور بھاری صنعتیں بیرونی اشیأ اور ٹیکنالوجی پر انحصار کرتی ہیں۔

ب2: صنعتی شعبے کو نجکاری (Privatization) اور قومیانے (Nationalization) کی پالیسیوں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اگرچہ سوشلسٹ یا کمیونسٹ ممالک نے دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کو روکنے کے لیے صنعتوں کو مکمل قومیانے کی پالیسی کی حمائت کی ہے لیکن انسانوں کے بنائے ہوئے نظام کی اس کم نظری پر مبنی حل کے ذریعے انسانوں میں موجود فطری دولت کے حصول کی خواہش کو دبا دیا جو تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے اور معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ داریت ایک دوسری انتہا کی حمائت کرتا ہے اور مکمل نجی ملکیت کے نظریے کو فروغ دیتا ہے۔ سرمایہ داریت اس بات کا خیال نہیں رکھتی کہ ان وسائل کو قطعاً نجی ملکیت میں نہیں دیا جانا چاہیے جن کے پر لوگوں کی بقا کا انحصار ہوتا ہے اور اہم اور ایسی صنعتوں میں جن میں بھاری سرمایہ کاری ہوتی ہے ریاست کو لازماً اپنا بھر پور کردار ادا کرنا چاہیے۔ لہٰذا نہ صرف دولت کے عظیم وسائل جہاں چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتے ہیں وہی یہ سرمایہ دار ایسے گروپوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو ریاست کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک خصوصاً مسلم ممالک پر جنگیں مسلط کرتے ہیں۔

ب3: تحقیق و ترقی اور بھاری صنعتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے لیکن یہ دونوں شعبے ریاست کے اس تصور کی بنا پر آگے بڑھتے ہیں کہ اس نے دنیا کی صف اول کی ریاست بننا ہے۔ امریکہ، جو کہ دنیا کی سپر پاور ہے، نے دنیا کی صف اول کی ریاست بننے کے لیے شدید جدوجہد کی جس کے نتیجے میں اس کے یہاں ایک بہت بڑی بھاری صنعتوں کا شعبہ وجود میں آیا۔ اس نے غیر ملکی سائنسدانوں کو بھی جمع کیا جیسا کہ جرمن راکٹ انجینئرز اور یونیورسٹیاں قائم کیں تا کہ ٹیکنالوجی

کے شعبے میں ترقی کرے۔ امریکہ کے پاس وہ کچھ ہے جو کبھی خلافت کے پاس صدیوں تک موجود رہا جب خلافت کی یونیورسٹیاں یورپینز کے پسندیدہ ترین مقام تھے اور عربی دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان تھی اور خلافت کی صنعتیں اور ہتھیار دنیا بھر میں اس کے رعب و دبدبے کا باعث تھیں۔ جبکہ آج پاکستان کا حال یہ ہے کہ ملک کے اعلیٰ ترین دماغ ملک چھوڑ کر ان علاقوں کا رخ کر رہے ہیں جہاں ان کی ذہانت اور صلاحیتوں کو استعمال میں لانے کے بہتر مواقع موجود ہیں۔

ب4: اگر بھاری صنعتوں کے شعبے میں صف اول کی ریاست بننا ہے کہ ہم انجن اور صنعتی مشینری بنا سکیں تو پھر اس مقصد کے لیے ریاست اور نجی شعبے کو مل کر کام کرنا پڑے گا۔ اس بات کے باوجود کہ ملک میں دولت کی کوئی کمی نہیں جس میں وہ کھربوں روپے بھی شامل ہیں جو بینکوں اور سٹاک مارکیٹوں میں موجود ہیں، ایجنٹ حکمران استعماری ممالک سے ان شرائط پر قرضے لیتے ہیں جس کے ذریعے مقامی سطح پر نجی اور ریاستی شعبے میں زبردست صنعتی ترقی کو روکا جاتا ہے۔

د) قانونی حکم: دنیا کی صف اول کی ریاست بننے کے لیے عظیم صنعتی طاقت قائم کی جائے گی

د1: خلافت کے قیام کے پہلے دن سے اسلامی ریاست اس بات کی بھر کوشش کرے گی کہ وہ دنیا کی صف اول کی ریاست بن جائے، ایسی ریاست کہ کوئی بھی اس کا مدمقابل نہ رہے جیسا کہ کبھی ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ صنعتی شعبے کی بنیاد فوجی ہوگی جس کے نتیجے میں بھاری صنعتوں میں بہت جلد زبردست ترقی ممکن ہوگی۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 74 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ "محکمہ صنعت وہ محکمہ ہے جو صنعت سے متعلق تمام معاملات کا ذمہ دار ہے خواہ یہ صنعت بھاری صنعت ہو جیسے انجن اور آلات سازی، گاڑیوں کی باڈی اور کیمیکل اور الیکٹرونک مصنوعات یا پھر ہلکی (چھوٹی) صنعت ہو۔ وہ کارخانے جن کا تعلق حربی شعبے سے ہے اس شعبے کے تحت آئیں گے خواہ ان کارخانوں میں تیار مال عوامی ملکیت میں آتا ہو یا انفرادی ملکیت میں، تمام کارخانے جنگی

پالیسی کی بنیاد پراستوار ہونے چاہئیں۔ریاست پرفرض ہے کہ وہ اپنا اسلحہ خود بنائے۔اسے دوسری ریاستوں سے اسلحہ خریدنے پرانحصار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے دوسری ریاستوں کو ریاست کو، ریاست کے اختیار کو، اس کے اسلحے کو اور اس کی جنگی صلاحیت کو کنٹرول کرنے موقع ملے گا۔یہ اس وقت تک نہیں کر ہوسکتا جب تک ریاست بھاری صنعت خود ریاست کی نگرانی میں قائم نہ کرے اور اس کو ترقی نہ دے اور وہ فیکٹریاں اور کارخانے قائم نہ کرے جو بھاری صنعت کے لیے ضروری ہیں چاہے ان کا تعلق فوجی صنعت سے ہو یا غیرفوجی صنعت سے"۔

د2: جہاں تک نجکاری اور قومیانے کے تصورات کا تعلق ہے تو اسلام، جو کہ دنیا کا واحد سچا دین ہے، نے اس مسئلہ کو اس کی بنیاد سے حل کر دیا ہے۔عوامی اثاثے جیسا کہ وسیع قدرتی وسائل، تیل و گیس، اور بجلی کے کارخانے عوامی ملکیت ہوتے ہیں۔اس کے محاصل (Revenue) اور ان کا ستعمال تمام عوام کے لیے ہوتا ہے اور ریاست اس بات کو یقینی بناتی ہے۔ وہ کارخانے جن کی پیداوار عوامی اثاثوں کی مرہون منت ہے وہ بھی عوامی ملکیت میں شامل ہوں گے۔اس قسم کے کارخانوں کی نہ ہی نجکاری کی جائے گی اور نہ ہی انھیں نیشنلائز جائے گا۔اس میں کوئلہ، سونا، تانبہ جیسی معدنیات کو نکالنے اور ان کی صفائی کی کارخانے شامل ہیں۔اس کے علاوہ تیل وگیس کی ریفائنریز، بجلی کے پیداواری کارخانے اوران کی تقسیم کی کمپنیاں بھی عوامی ملکیت میں شامل ہیں۔ چونکہ عوامی اثاثوں سے منسلک اس قسم کے کارخانوں کی کبھی بھی نہ تو نجکاری ہوگی اور نہ ہی وہ نیشنلائز کیے جائیں گے جس سے نجی شعبے میں قائم کارخانوں کو درکار پیداواری مال، بجلی، تیل اور گیس سستے داموں میسر ہوں گی۔اس کے علاوہ وہ کارخانے جو نجی شعبے میں قائم کیے جاسکتے ہیں ان کو کبھی نہ تو نیشنلائز کیا جائے گا اور نہ ہی انھیں عوامی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 138 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ" کارخانہ بحیثیت کارخانہ فرد کی ملکیت ہے، تاہم کارخانے کا وہی حکم ہے جو اس میں بننے والے مواد (پیداوار) کا ہے۔اگر یہ مواد فرد کی املاک میں سے ہو تو کارخانہ بھی انفرادی

ملکیت میں داخل ہوگا۔ جیسے کپڑے کے کارخانے (گارمنٹس فیکٹری) اوراگر کارخانے میں تیار ہونے والا مواد عوامی ملکیت کی اشیاء میں سے ہوگا تو کارخانہ بھی عوامی ملکیت سمجھا جائے گا جیسے لوہے کے کارخانے (Steel Mill)''۔اور دفعہ 139 میں کہا گیا ہے کہ'' ریاست کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انفرادی ملکیت کی چیز کو عوامی ملکیت کی طرف منتقل کرے کیونکہ عوامی ملکیت میں ہونا مال کی طبیعت اور فطرت اور اسکی صفت میں پائیدار طور پر ہوتا ہے، ریاست کی رائے سے نہیں۔ اس وجہ سے جس چیز کو قومیانہ (نیشنلائز) کہا جاتا ہے، شرع میں وہ کوئی چیز نہیں''۔اور دفعہ 140 میں یہ کہا گیا ہے کہ''امت کے افراد میں سے ہر فرد کو اسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے جو عوامی ملکیت میں داخل ہے۔ ریاست کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی خاص شخص کو عوامی ملکیت سے فائدہ اٹھانے یا اس کا مالک بننے کی اجازت دے''۔

ریاست خود بھاری صنعتیں قائم کرے گی جن میں انجن سازی کی صنعت بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاست بنیادی صنعتی شعبے میں نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی بھی کرے گی اور انھیں امداد اور غیر سودی قرضے، سستی بجلی اور ٹرانسپورٹ فراہم کرے گی۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 74 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ'' چنانچہ ریاست کے پاس اپنا ایٹمی پلانٹ، ایٹمی ریکٹرز، اپنی خلائی شٹل، اپنا میزائل پروگرام، مصنوعی سیارہ، جنگی جہاز، ٹینک، بحری بیڑے، ہر قسم کی بکتر بند گاڑیاں الغرض ہر قسم کا بھاری اور ہلکا اسلحہ وافر مقدار میں تیار ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ریاست پر فرض ہے کہ اس کے پاس ہر قسم کی مشینیں، انجن، کیمیکل، اور الیکٹرونک آلات بنانے کی فیکٹریاں اور کارخانے ہوں۔ مزید برآں وہ فیکٹریاں ہونا جو عوامی ملکیت کے زمرے میں آتی ہیں یا وہ فیکٹریاں اور کارخانے جو چھوٹی جنگی مصنوعات بناتی ہیں، تمام اس فرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہیں''۔

د3: تحقیق وترقی کے شعبے کے لیے ریاست لازمی ایسی سہولیات فراہم کرے گی جس کے نتیجے میں خلافت کی صنعت دنیا کی صنعتی طاقت بن سکے۔اس مقصد کے حصول کے لیے ریاست بھاری سرمایہ کاری کرے گی اور یونیورسٹیوں کے تحقیق وترقی کے شعبے کوصنعتوں سے منسلک کرے گی تا کہ ریاست کی ضرورت کے مطابق انجینئرز، ماہرتعمیرات، ٹاون پلے نرز، ڈاکٹرز، ماہر تعلیم اور زرعی سائنسدان پیدا کیے جاسکیں۔اس کے علاوہ ریاست نجی شعبے کو بھی تحقیق وترقی کے شعبے میں اپنا کردارادا کرنے کی حوصلہ افزائی کرے گی۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 162 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''رعایا کے تمام افراد کو زندگی کے ہر مسئلے سے متعلق علمی تجربہ گاہیں بنانے کا حق حاصل ہے اور ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ لیبارٹریاں قائم کرے''۔

د4: جہاں تک صنعتی ترقی کے لیے درکار سرمائے کا تعلق ہے کہ وہ کس طرح حاصل کیا جائے گا تو عوامی اثاثوں کو عوامی ملکیت قرار دے کر اور اہم اور بنیادی صنعتوں کی ریاست کی ملکیت میں ہونے سے اور محصولات کے شرعی احکامات کے نفاذ کے ذریعے ریاست اس قابل ہوگی کہ وہ صنعتی شعبے کی ترقی کے لیے ریاست کی صنعتوں اور نجی شعبے کی صنعتوں میں سرمایہ کاری کر سکے۔اور ان تمام اقدامات کے بعد صنعتی شعبے کی ترقی کے لیے قطعاً غیر ملکی اداروں یا ریاستوں کی مالی مدد کی ضرورت نہیں ہوگی۔اس پالیسی کے نتیجے میں ریاست فوجی ٹیکنالوجی، کپڑے، ہاوسنگ، تعلیم اور صحت کے شعبوں میں خود کفیل ہوجائے گی۔غیر ملکی تجارت صرف ان ممالک سے کی جائے گی جن کے ساتھ امن کے معاہدے ہوں گے اور یہ تجارت بھی اس طریقے سے کی جائے گی کہ وہ اس قدر طاقتور نہ ہوجائیں کہ اسلام کی دعوت کی راہ میں روکاوٹ پیدا کرسکیں کیونکہ بل آخر اسلام کو ہی پوری دنیا پر غالب اور نافذ کرنا ہے۔

ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 165 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''غیر ملکی سرمائے کا استعمال اور ملک کے اندر اس کی سرمایہ کاری کرنا ممنوع ہوگی۔کسی غیر ملکی شخص کو

کوئی امتیازی رعایت نہیں (Franchise) دی جائے گی۔

نوٹ: خلافت کے قیام کے فوراً بعد اس پالیسی کو نافذ کیا جائے گا۔اس پالیسی کے قرآن وسنت سے تفصیلی دلائل جاننے کے لیے حزب التحریر کی جانب سے جاری کیے گئے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعات 165,162,140,139,138,74 سے رجوع کریں۔متعلقہ آئینی دفعات کو دیکھنے کے لیے اس ویب سائٹ لنک کو دیکھیں۔

http://htmediapak.page.tl/policy-matters.htm

ج) پالیسی: خلافت دنیا میں صنعتی ترقی کا شاہکار ہوگی

ج1: ایک طاقتور اور مختلف اقسام کی صنعتوں کی حامل صنعتی طاقت جس کا مقصد دنیا کی صف اول کی ریاست بننا ہوگا۔اس کے صنعتی شعبے میں فوجی صنعت کو مرکزی مقام حاصل ہوگا۔

ج2: عوامی اثاثوں سے متعلق صنعتی شعبہ عوامی ملکیت جبکہ دیگر ضروری صنعتیں نجی اور ریاستی ملکیت میں ہوگی جس کے نتیجے میں معاشرے میں دولت کی بہتر گردش ممکن ہو سکے گی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ افراد کی بہترین تخلیقی صلاحیتیں بھی سامنے آئیں گی۔

ج3: ریاست کی سرپرستی میں ریاست اور نجی شعبے میں مضبوط صنعتی تحقیق و ترقی کا شعبہ قائم کیا جائے گا۔

ج4: استعماری قرضوں اور ان سے منسلک تباہ کن شرائط کا خاتمہ۔شریعت کی بنیاد پر حاصل ہونے والے محصولات اور عوامی اثاثوں جیسے تیل و گیس کے شعبے سے حاصل ہونے والے محصولات کو صنعتی شعبے کی سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

زراعت:

الف) مقدمہ: انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پاکستان کو زرعی طاقت بننے کی راہ میں رکاوٹ ہیں

الف 1: یہ بات مشہور و معروف ہے کہ جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات نافذ ہوتے رہے، دنیا میں زراعت کے حوالے سے مسلم سرزمین ایک حیران کن زمین تھی۔ جس وقت یورپ خشک سالی اور بھوک سے دوچار تھا تو صلیبیوں کی توجہ شام کی بابرکت زمین کی جانب مبذول ہونے کی ایک وجہ اس کی زبردست زرعی دولت بھی تھی۔ یہ خطہ زرعی پیداوار سے اس قدر مالا مال تھا کہ صلیبی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک ایسے ملک جا رہے ہیں جہاں ''دودھ اور شہد'' کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے علاوہ، جب یورپ اپنے تاریک دور سے گزر رہا تھا تو مسلمانوں کی سرزمین اہم فصلوں کو حاصل کرنے اور موسمِ گرما کی آبپاشی کے طریقے کو سمجھنے کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں تک برصغیر ہندوستان کا تعلق ہے تو اسلام کے زیرِ سایہ وہ ایک زرعی سپر پاور تھا جس کی کل قومی پیداوار دنیا کی کل پیداوار کا 25 فیصد تھی جس کا ایک بہت بڑا حصہ برآمد کیا جاتا تھا۔ اس کی عظیم زرعی دولت، خصوصاً مسالاجات نے برطانوی استعمار کو اس کی جانب ہوس بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن جب برطانوی قبضے کے دوران اللہ کے احکامات کی جگہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہوئے تو اسی سرزمین پر وسیع پیمانے پر لوگ بھوک سے موت کا شکار ہونے لگے۔ اب تک زراعت کے میدان میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہی نافذ کیے جا رہے ہیں جس کی بنا پر پاکستان ایک زرعی سپر پاور بننے کی استعداد رکھنے کے باوجود اس مقام سے محروم ہے۔

الف 2: اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو وسیع و عریض زرعی زمین عطاء کی ہے جس کو دنیا کے چند بڑے دریاوں میں سے ایک دریا، دریائے سندھ، سیراب کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ چار مختلف موسم، انواع و

اقسام کی زمینیں اور نیم ہنر مند محنت کشوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے نوازا ہے اور یہی وہ تمام اجزائے ترکیبی ہیں جو پاکستان کو ایک زرعی قوت بنانے کے لئے کافی ہیں۔ پاکستان کی معیشت کے پھیلاؤ اور ترقی میں زراعت نے ہمیشہ سے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ لوگوں کی خوراک کی ضروریات کو پورا کرتی ہے، صنعتوں کو خام مال فراہم کرتی ہے اور پاکستان کی بیرونی تجارت کی بنیاد ہے۔ زراعت پاکستان کی کل پیداوار کا تقریباً 45 فیصد ہے اور دیہی آبادی کے تقریباً دو تہائی حصے کو آمدنی کے ذرائع فراہم کرتی ہے۔ زرعی اجناس اور ان سے تیار ہونے والی اشیاً کو برآمد کر کے ملک اربوں روپے کے محاصل بھی حاصل کرتا ہے۔ پچھلے بیس سالوں میں ملک کی اوسط سالانہ زرعی پیداوار میں 4 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوا ہے جبکہ اس دوران پچھلے پانچ سالوں میں زرعی پیداوار میں سالانہ اضافہ محض 3 فیصد ہی رہا ہے۔ حالانکہ اِس وقت پاکستان کی زرعی زمین اس کی مکمل استعداد کے مطابق استعمال نہیں ہو رہی۔ پاکستان میں کُل قابلِ کاشت اراضی 30 ملین ہیکٹر ہے جس میں سے 22 ملین ہیکٹر پر کاشت کاری کی جاتی ہے۔ اس 22 ملین ہیکٹر میں سے بھی ہر سال 6 ملین ہیکٹر پر کاشت کاری نہیں ہوتی اور صرف 7 ملین ہیکٹر زمین پر سال میں ایک سے زائد دفعہ کاشت کاری کی جاتی ہے۔

یہ تمام تر کامیابیاں اس صورت حال میں حاصل کی گئی ہیں کہ زراعت کا یہ شعبہ حکومت کی خاطر خواہ توجہ سے محروم ہے، کاشت کار پرانے طریقوں سے کاشت کاری کرنے پر مجبور ہیں، پیداوار میں اضافے اور آب پاشی کی نئی ٹیکنالوجی میسر نہیں ہے، نئی اقسام کے بیج میسر نہیں ہیں جن میں بیماریوں کے خلاف زیادہ قوتِ مدافعت موجود ہوتی ہے اور تمام قابل کاشت اراضی پر کاشت کاری بھی نہیں کی جا رہی۔

الف 3: اس کے علاوہ زرعی پیداوار میں کسی بھی قسم کا اضافہ دیہی علاقوں کی غربت کو کم نہیں کر سکا بلکہ ان کی غربت میں مزید اضافہ ہی ہوا ہے۔ متعدد بار زرعی زمین کی تقسیم کی اصلاحات کے نفاذ کے باوجود انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نے دولت کو چند ہاتھوں میں ہی مرتکز کیا ہے جو کہ

سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے۔کروڑوں لوگ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باعزت روزگار سے محروم ہیں اور پاکستان کے دیہی علاقے غربت،افلاس اور بھوک کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ پاکستان میں انسانی ترقی کی رپورٹ کے مطابق 57.4 فیصد غریب لوگ زمینداروں کے پاس بغیر کسی تنخواہ کے کام کررہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کاشتکاروں کے لئے بنیادی ذریعہِ روزگار اب غیر زرعی طریقوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، خاص طور پر ایسے کاشتکار جن کے پاس زرعی زمین نہ ہونے کے برابر ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ روزگار کے حصول کے لیے دیہی علاقوں کی بہت بڑی تعداد کو مجبوراًاپنے دیہات چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا پڑتا ہےلیکن شہروں میں بھی ان کے لیےصورتحال کوئی بہتر تبدیلی نہیں لاتی اورروزگار کےحصول کے لیے یہ لوگ سارا سارا دن سڑکوں کے کنارے بیٹھ کر انتظار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور گھر نہ ہونے کہ بنا پر راتوں کو انھی سڑکوں پر سونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔اسی طرح زرعی قرضے کی ناکافی سہولت زراعت کے شعبے کی مشکلات میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔زرعی قرضوں پرشرح سود بہت زیادہ ہوتا ہے جو اکثر نہ تو وقت پر میسر ہوتا ہےاور نہ ہی ان کی ضرورت کےمطابق ہوتا ہےجس کی بنا پر کاشتکار غیر رسمی ذرائع سےقرض حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔تقریباً 50.8 فیصد غریب بہت بلند شرح سود پر قرضے حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے کاشتکاروں کےمتعلق یہ ایک عام کہاوت ہے کہ"وہ قرضے میں پیدا ہوتا ہے،قرضے میں ہی اس کی زندگی گزرتی ہےاور قرضے ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوتا ہے"۔

ب) سیاسی اہمیت: انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین زرعی پیداوار میں کمی اور دیہی غربت میں اضافے کا باعث ہیں

ب1: شریعت کے قوانین کی معطّلی کے بعد سرمایہ دارانہ نظام نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ زمینوں کی بہت بڑی تعداد کی ملکیت چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہی محدود رہے۔اگرچہ برطانوی استعمار چلا گیا لیکن اس کا قائم کردہ سرمایہ دارانہ نظام برقرار رہا لہٰذا پاکستان کے زرعی شعبے میں

زمینوں کی ملکیت کی یہ صورتحال ابھی بھی جاری و ساری رہی۔ دیہی علاقے کا 4 فیصد امیر طبقہ تقریباً آدھی قابل کاشت زمین کا مالک ہے جبکہ 49 فیصد دیہی آبادی زرعی زمین کی ملکیت سے مکمل محروم ہیں۔ جو کاشتکار زرعی زمینوں سے محروم ہیں وہ مجبوراً دوسروں کی زمینوں پر کام کرتے ہیں، پھر اس زمین کے مالکان کو زمین کا کرایہ ادا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں زرعی زمین کے مالکان کی اکثریت کوئی کام کیے بنا ہی محض زمین کے کرائے پر شاندار زندگی گزار رہے ہیں۔ تو وہ لوگ جو درحقیقت زمین کو کاشت کر رہے ہیں وہ اس زمین سے حاصل ہونے والے منافع کا بہت ہی کم حصہ حاصل کر پاتے ہیں جبکہ جو ان زمینوں کے مالک ہیں وہ اس زمین سے حاصل ہونے والے منافع کا بہت بڑا حصہ لے جاتے ہیں۔ 1960 کی دہائی کے ''سبز انقلاب'' نے صورتحال کو مزید خراب کیا جب ایک چھوٹی سی اشرافیہ کو یہ حق دیا گیا کہ وہ لیز کی گئی زمینوں کو واپس حاصل کر سکتے ہیں اور ان پر کام کرنے والے کاشتکاروں کو بے دخل کر سکتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دیہی غربت میں مزید اضافہ ہوا اور دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والے محنت کشوں کا ایک سیلاب ،روزگار کے حصول کے لیے، شہروں کی جانب اُمڈ آیا۔ دیہی علاقوں سے کاشتکاروں کا شہر کی طرف رخ کرنے اور زمین کے اصل مالکان کا خود اپنی زمینوں کو کاشت نہ کرنے کے نتیجے میں پاکستان کی وسیع زرعی زمینیں غیر آباد ہوگئیں۔

ب2: جمہوریت میں چاہے کوئی بھی حکمران بنے کفریہ استعماری قوانین کے نفاذ کی بدولت مسلمان مزید بدحال ہوتے جاتے ہیں کیونکہ جمہوریت اس بات کی پابند نہیں کہ وہ اسلام کے قوانین کو نافذ کرے۔ لہٰذا 1990 کی دہائی میں بے نظیر بھٹو کی حکومت نے کورپوریٹ فارمنگ کو متعارف کرایا۔ کورپوریٹ فارمنگ کو ایک صنعت کا درجہ دیا گیا اور 19 ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس پالیسی کو ایک اہم قوت اس وقت فراہم کی گئی جب 2-2001 میں مشرف حکومت نے کورپوریٹ زرعی فارمنگ پالیسی اور کورپوریٹ فارمنگ آرڈیننس جاری کیا جس کے نتیجے میں اس پالیسی کو ایک قانونی جواز اور بنیاد فراہم کی گئی اور ساتھ ہی غیر ملکی سرمایہ کاروں کو مختلف

قسم کے ٹیکسوں سے چھوٹ بھی فراہم کی گئی۔ کیانی وزرداری حکومت نے 2009 میں زرعی شعبے میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے مزید مراعات کا اعلان کیا جس کے تحت ملٹی نیشنل کمپنیوں کو ملک کی وسیع زمینوں کو لیز پر حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔

اور اب کیانی ونواز حکومت کے تحت یہ پالیسیاں مزید بے روزگاری، مصائب اور زرعی پیداوار میں کمی کا باعث بنیں گی۔ ایک طرف مقامی کاشتکار بیج، کیمیائی کھاد، زرعی مشینری، تیل اور بجلی پر بھاری ٹیکسوں کی بنا پر پسا چلا جارہا ہے تو دوسری جانب غیر ملکی کمپنیوں کو زمینوں کی خریداری، زرعی مشینری کی درآمد اور اپنے منافع کو واپس بیرون ملک بھجوانے کے لیے ٹیکسوں میں چھوٹ دی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی کمپنیاں نقد آور فصلوں (cash crops) کو کاشت کرنے میں دلچسپی لیتی ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ وہ ان فصلوں کو کاشت کریں جس کے ذریعے پاکستان کے لوگوں کی خوراک کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ لہذا استعماری پالیسیوں پر عمل درآمد کے نتیجے میں جمہوریت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ پاکستان کی زرعی پیداوار کی صلاحیت سے غیر ملکی کمپنیاں فائدہ اٹھائیں، پاکستان اپنے عوام کی خوراک اور لباس کی ضروریات کو پورا نہ کرسکے بلکہ پاکستان اپنی عوام کی خوراک اور لباس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان اشیأ کو مہنگے داموں درآمد کرے۔

د) قانونی ممانعت: زرعی پیداوار اور دیہی خوشحالی کی بلندیوں کو چھونا اور خوارک کی ضروریات کو یقینی بنانا

د 1: خلافت کا قیام پاکستان میں زرعی پیداوار میں اضافہ اور دیہاتوں میں روزگار کے مواقع پیدا کرے گا۔ برطانوی استعمار کے قبضے سے قبل زرعی زمین کے حوالے سے اسلامی احکامات کا دوبارہ نفاذ پاکستان میں خوراک کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے درکار زرعی پیداوار کو یقینی بنائے گا اور دیہاتوں کو خوشحالی کی صبح سے منور کردے گا۔ یہ اسلام کے احکامات کی خصوصیت ہے کہ جس نے زرعی زمین کی ملکیت کو اس کی کاشت کے ساتھ منسلک کیا ہے تو اس بات سے قطع نظر کے زمیندار

کے پاس کم زمین ہے یا بہت زیادہ زمین ہے، اس کو خود اپنی زمین پر کاشت کاری کو یقینی بنانا ہے۔ ریاست زرعی زمین کے مالکان کو کاشتکاری میں مدد معاونت فراہم کرنے کے لیے بلا سودی قرضے اور گرانٹ بھی فراہم کرے گی۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 136 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''ہر زمیندار کو زمین سے فائدہ اٹھانے (کاشت کرنے) پر مجبور کیا جائے گا۔ زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہو تو بیت المال سے ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کی جائے گی۔ ہر وہ شخص جو زمین سے تین سال تک کوئی فائدہ اٹھائے بغیر اسے بیکار چھوڑے رکھے تو زمین اس سے لے کر کسی اور کو دے دی جائے گی''۔

اگر زرعی زمین کا مالک کاشتکاری کے لیے درکار مدد فراہم ہونے کے باوجود کاشتکاری نہیں کرتا یا نہیں کر پاتا تو اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کسی دوسرے شخص کو زمین کرائے پر دے دے کہ وہ اس پر کاشتکاری کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((ازرعها او امنحها اخاك)) ''اسے خود کاشت کرو یا اپنے بھائی کو دے دو''۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 135 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''زمین خواہ خراجی ہو یا عشری، اسے اجرت لے کر زراعت کے لیے دینا ممنوع ہے (یعنی کرایہ پر دینا)۔ اسی طرح زمین کو مزارعت (یعنی ٹھیکے پر دینا) بھی ممنوع ہے، تاہم مساقات (باغات کو کرائے پر دینا) مطلقاً جائز ہے''۔

اور اسلام اس بات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ زرعی زمین جس پر کاشتکاری نہیں ہو رہی اس کو کاشت میں لایا جائے اور جو ایسی زمین سے پیداوار حاصل کرے اسے اس زمین کا مالک قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((من احيا ارضا ميتة فهي له)) ''جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کا مالک بن گیا'' (ترمذی)۔

لٰہذا ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 134 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''آبادکاری اور حد بندی (پتھر وغیرہ رکھ کر) بنجر زمین کا مالک بنا جا سکتا ہے''۔

د2: خلافت غیر ملکیوں کی زرعی زمین کی ملکیت کا خاتمہ کرے گی۔اس کے علاوہ خلافت مقامی کاشتکاروں کو کاشتکاری کے لیے درکار مال (بیج، کھاد، ادویات وغیرہ) پر عائد بھاری ٹیکسوں سے نجات دلائے گی اور اسلام کا شرعی محاصل کا نظام خراج اور عشر نافذ کرے گی جو زمین کی استعداد اور اس سے حاصل ہونے والی اصل پیداوار پر لیا جاتا ہے۔یہ اقدامات خوارک کی فراہمی کو یقینی بنانے اور مقامی کاشتکاروں کی زندگی میں خوشحالی لانے کا باعث بنیں گے جس کا مشاہدہ یہ امت صدیوں تک اسلامی ریاست کے تحت کر چکی ہے۔لہذا خلافت ان زرعی اجناس کی کاشت کو اہمیت دے گی جس کے ذریعے امت کی خوراک اور لباس کی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کیا جائے گا اور امت کی ضروریات سے زائد پیداوار کو بیرونی تجارت کے ذریعے دوسری ریاستوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے تعلقات کو استوار کرنے کے لیے استعمال میں لایا جائے گا۔ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ ریاست ایسے پروگرام شروع کرے جس کے ذریعے آب پاشی کے جدید نظام، کیمیائی و قدرتی کھاد اور بیماریوں کے خلاف زیادہ قوت مدافعت رکھنے والے بیجوں کی تیاری، بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے، اور ان سے منسلک دوسرے شعبوں میں تیز رفتار پیش رفت کی جا سکے۔اس کے علاوہ وسیع چراہ گاہیں قائم کی جائیں گی تا کہ گلہ بانی کو فروغ اور استحکام حاصل ہو۔

ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 165 میں حزب التحریر نے اعلان کیا ہے کہ ''غیر ملکی سرمائے کا استعمال اور ملک کے اندر اس کی سرمایہ کاری کرنا ممنوع ہو گی اور کسی غیر ملکی شخص کو کوئی امتیازی رعایت نہیں دی جائے گی''۔اور دفعہ 133 میں یہ کہا گیا ہے کہ ''عشری زمین وہ ہے جہاں کے رہنے والے اس زمین پر رہتے ہوئے (بغیر کسی جنگ سے یا صلح کے) ایمان لے آئے، اسی طرح جزیرۃ العرب کی زمین۔جبکہ خراجی زمین وہ زمین ہے جو جنگ یا صلح کے ذریعے

فتح کی گئی ہو،سوائے جزیرۃ العرب کے۔عشری زمین اوراس کی پیداوار کے مالک افراد ہوتے ہیں،جبکہ خراجی زمین ریاست کی ملکیت ہوتی ہےاوراس کی پیداوارافراد کی ملکیت ہوتی ہے،ہرفرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شرعی معاہدوں کے ذریعےعشری زمین اورخراجی زمین کی پیداوارکا تبادلہ کرےاوردوسرے اموال کی طرح یہ زمین بطورمیراث ایک سے دوسرے کومنتقل ہوگی‘‘۔

نوٹ: خلافت کے قیام کےفوراًبعداس پالیسی کونافذکیاجائے گا۔اس پالیسی کےقرآن وسنت سےتفصیلی دلائل جاننے کے لیے حزب التحریر کی جانب سے جاری کیے گئے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعات 165,136,135,134,133 سے رجوع کریں۔متعلقہ آئینی دفعات کودیکھنے کے لیےاس ویب سائٹ لنک کودیکھیں۔

http://htmediapak.page.tl/policy-matters.htm

ج) پالیسی: خلافت ایک زرعی طاقت

ج1: زرعی زمین کی ملکیت کواس کی لازمی کاشت سے منسلک کرنے سے زرعی پیداوار میں اضافہ۔خلافت زرعی زمین پر زیادہ سے زیادہ کاشتکاری کے لیے بلاسودی قرضےاورگرانٹ مہیا کرے گی۔اسلام بے کار پڑی زرعی زمین کوقابل استعمال بنانے والےکواس کا مالک قرار دیتا ہے۔اس کے نتیجے میں ناصرف زرعی پیداوارمیں زبردست اضافہ ہوگا بلکہ قومی دولت میں دیہی آبادی کےتناسب میں بھی اضافہ ہوگا۔

ج2: استعماری طاقتوں سے کیے گئے معاہدوں کی بناپرنافذظالمانہ ٹیکسوں اورغیرملکی سرمایہ کاروں کی زرعی زمین پرحقِ ملکیت ختم کردیا جائے گا۔شریعت کی بنیاد پرمحاصل اورملکیت کی قوانین نافذ کیے جائیں گے۔خراج اورعشر کا نظام ان زمینوں کی اس سابقہ حیثیت کو بحال کردے گا جب یہ زمینیں پوری دنیا کی غذائی ضروریات کو پورا کیا کرتیں تھیں۔

ج3: خلافت زبردست آبپاشی کا نظام قائم کرے گی جس سے پانی کے ذخائر سےقریب اوردور

دونوں طرح کی زمینوں کو پانی میسر ہوگا۔ خلافت اچھے بیجوں کی تیاری، کھاد اور بیماریوں سے بچاؤ کی ادوایات کی تیاری کے لیے نرسریاں اور لیبارٹریاں قائم کرے گی تا کہ خلافت غذائی اجناس، سبزیوں، پھلوں اور دوسری زرعی اجناس میں خودکفیل ہو سکے۔

بجلی

۱) مقدمہ: جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام میں نج کاری (Privatization) کے تصور کی حفاظت کرتی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں بجلی ناپید اور مہنگی ہوگئی ہے:

پاکستان میں بجلی کے بحران کی ذمہ دار حکومت بذاتِ خود ہے کیونکہ وہ جمہوریت کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کو نافذ کر رہی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام نجکاری (پرائیویٹائیزیشن) کے ذریعے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ بجلی پیدا کرنے کے وسائل سے صرف چند مقامی اور غیر ملکی لوگ فائدہ اٹھائیں جبکہ عوام اس سے محروم رہیں۔ نجکاری کے نتیجے میں بجلی کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے تا کہ نجی مالکان اپنے منافع میں بے تحاشا اضافہ کر سکیں۔ مثال کے طور پر ورلڈ بنک نے بجلی کی قیمتوں میں سال 2000ء سے 2004ء تک اپنی نگرانی میں اضافہ کروایا اور جس میں آج کے دن تک مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں لوگ اب سردیوں کے دنوں میں بجلی کا جتنا بل دیتے ہیں اتنا بل وہ بجلی کے کارخانوں کی بڑے پیمانے پر نجکاری سے قبل گرمیوں کے اُن دنوں میں دیا کرتے تھے جن دنوں میں بجلی کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو بجلی بنانے والی پرائیویٹ کمپنیاں بجلی کے پیداواری یونٹس کی مالک ہونے کی بنا پر اپنی دولت میں بے تحاشا اضافہ کرتی ہیں تو دوسری طرف باقی معاشرہ مسلسل مہنگی ہوتی بجلی کی بنا پر اقتصادی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں تک بجلی کی کمی کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے چند لوگوں کے فائدے کے لیے اپنے آپ کو اربوں روپے کے قرضوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے، نتیجتاً حکومت کی طرف سے نجی کمپنیوں کو اتنی رقم نہیں دی جاتی جتنا کہ انھیں دینے کے معاہدے کیے گئے ہیں، پس نجی کمپنیاں اپنے منافع کی شرح کو برقرار رکھنے کے لیے بجلی کی پیداوار میں کمی کر دیتی ہیں۔ ''گردشی قرضے'' (circular debt) کی وجہ سے بجلی کی پیداوار دس ہزار میگاواٹ یا اس سے بھی کم رہ جاتی ہے جبکہ بجلی کی پیداوار کی گنجائش تقریباً بیس ہزار

میگاواٹ ہے جو پانی کی کمی کی صورت میں بھی تقریباً پندرہ ہزار میگاواٹ تک ہوتی ہے۔ یہ پیداواری صلاحیت ہماری طلب کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ سردیوں میں بجلی کی طلب تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار جبکہ گرمیوں میں ساڑھے سترہ ہزار میگاواٹ ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گرمیوں میں آٹھ سے بارہ گھنٹوں جبکہ سردیوں میں چھ گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ کی اصل وجہ استعداد سے کم بجلی پیدا کرنا ہے۔ یہ تمام صورتحال صرف اس وجہ سے ہے کہ بجلی کو عوام کا حق قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کو کاروبار کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

ب) سیاسی اہمیت: بجلی کے پیداواری یونٹس پر سرمایہ دارانہ نظام کے کنٹرول کا فائدہ صرف استعماری طاقتوں اور موجودہ حکمرانوں کو ہے جبکہ عوام اس سے محروم رہتے ہیں

ب1: پاکستان میں بجلی 65 فیصد تھرمل ذرائع یعنی فرنس آئل اور گیس سے، 33 فیصد ہائیڈل یعنی پانی کے ڈیموں کے ذریعے اور 2 فیصد نیوکلیئر یعنی ایٹمی ری ایکٹروں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ پاکستان کی بجلی کی پیداواری صلاحیت اتنی ہے کہ پورا سال بجلی کی موجودہ طلب کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

ب2: جہاں تک تھرمل ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کا تعلق ہے تو مسلم امہ دنیا کے 50 فیصد سے زائد تیل اور 45 فیصد گیس کے ذخائر کی مالک ہے۔ پاکستان میں تھر میں واقع کوئلے کا ذخیرہ دنیا کے چند بڑے کوئلے کے ذخائر میں سے ہے۔

ب3: جہاں تک مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دوسرے ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کا تعلق ہے جیسا کہ سورج کی روشنی، ہوا اور پانی کی لہریں، تو امت میں ایسے بے شمار بیٹے اور بیٹیاں ہیں جو ان وسائل کو استعمال میں لا کر امت کی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ب4: ان عظیم ذخائر کی نجکاری کے ذریعے مقامی اور غیر ملکی استعماری کمپنیاں بھرپور فائدہ اٹھاتیں ہیں۔ یہ کمپنیاں یا تو حکمرانوں کی حمایت سے کام کرتی ہیں یا براہِ راست حکمرانوں کے

لیے کام کرتیں ہیں۔

ب5: لوگوں کا معاشی بدحالی میں مبتلا ہو جانا موجودہ حکمرانوں اوران کے استعماری آقاؤں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں میں کرپٹ حکمرانوں کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور انھیں اکھاڑ پھینکنے کی صلاحیت میں کمی ہو جاتی ہے۔

ج) قانونی حکم: عوام کے لیے توانائی کے ذخائر سے حاصل ہونے والے فوائد کا تحفظ

خلافت سرمایہ دارانہ معاشی نظام کا خاتمہ کرے گی اور اسلام کے معاشی نظام کو نافذ کرے گی۔ اسلام کا نظام دولت کی تقسیم کو یقینی بناتا ہےاوراس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ بجلی کے پیداواری یونٹس کے ساتھ ساتھ کوئلہ، تیل اور گیس کو عوامی اثاثہ قرار دینا ہے۔ یہ اثاثے نہ تو نجی ملکیت میں دیے سکتے ہیں اور نہ ہی ریاستی ملکیت میں۔ ان اثاثوں کا انتظام ریاست سنبھالتی ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنائے کہ ان کے فوائد رنگ، نسل، مسلک اور مذہب سے قطع نظر ریاست کے تمام شہریوں تک پہنچیں۔ خلافت توانائی اور پیٹرول، ڈیزل، فرنس آئل وغیرہ پر عائد ٹیکسز کا خاتمہ کردے گی جس سے ان کی قیمت میں واضح کمی واقع ہوگی۔ اگر ضرورت ہو تو ان چیزوں کی قیمت ان کی پیداوار اور انھیں عوام تک پہنچانے پر اٹھنے والی لاگت کے مطابق لی جائے گی۔ امت کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد زائد وسائل کو غیر مسلم غیر حربی ممالک کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن کو لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے گا۔ اسلام کی بجلی کی پالیسی خلافت کے زیرِ سایہ پاکستان میں زبردست صنعتی ترقی کا باعث بنے گی۔

حزب التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 137 میں اعلان کیا ہے کہ ''تین طرح کی اشیاء عوام کی ملکیت ہوتی ہیں: (ا) ہر وہ چیز جو اجتماعی ضرورت ہو جیسے شہر کے میدان۔ (ب) ختم نہ ہونے والی معدنیات جیسے تیل کے کنوئیں۔ (ج) وہ اشیاء جو طبعی طور پر افراد کے قبضے میں نہیں ہوتی جیسے نہریں''۔ دستور کی دفعہ 138 میں لکھا ہے کہ'' کارخانہ بحیثیت کارخانہ فرد

کی ملکیت ہے، تاہم کارخانے کا وہی حکم ہے جو اس میں بننے والے مواد (پیداوار) کا ہے۔ اگر یہ مواد فرد کی ملکیت میں سے ہو تو کارخانہ بھی انفرادی ملکیت میں داخل ہوگا، جیسے کپڑے کے کارخانے (گارمنٹس فیکٹری) اور اگر کارخانے میں تیار ہونے والا مواد عوامی ملکیت کی اشیاء میں سے ہوگا تو کارخانہ بھی عوامی ملکیت سمجھا جائے گا جیسے لوہے کے کارخانے(Steel Mill)''۔ اسی طرح دستور کی دفعہ 139 میں لکھا ہے کہ ''ریاست کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انفرادی ملکیت کی چیز کو عوامی ملکیت کی طرف منتقل کرے کیونکہ عوامی ملکیت میں ہونا مال کی نوعیت اور فطرت کی بنا پر ہوتا ہے، ریاست کی رائے سے نہیں''۔ اور دستور کی دفعہ 140 میں لکھا ہے کہ ''امت کے افراد میں سے ہر فرد کو اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے جو عوامی ملکیت میں داخل ہے۔ ریاست کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی خاص شخص کو عوامی ملکیت سے فائدہ اٹھانے یا اس کا مالک بننے کی اجازت دے اور باقی رعایا کو اس سے محروم رکھے''۔

نوٹ: خلافت کے قیام کے فوراً بعد اس پالیسی کو نافذ کیا جائے گا۔ اس پالیسی کے قرآن وسنت سے تفصیلی دلائل جاننے کے لیے حزب التحریر کی جانب سے جاری کیے گئے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعات 140,139,138,137 کی طرف رجوع کریں۔

د) پالیسی: دنیا کی صف اول کی ریاست یعنی خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد

ج1: تیل، گیس، کوئلہ اور بجلی کے یونٹس کو عوامی اثاثہ قرار دے دیا جائے گا جس کے نتیجے میں سستی بجلی میسر ہوگی۔

ج2: سستی بجلی کی فراہمی صنعتی شعبے کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے ضروری ہے بلکہ ایک ریاست کو دنیا کی صفِ اول کی ریاست بنانے کے لیے بھی انتہائی اہم ہے۔

ج3: توانائی کے حوالے سے اسلام کی منفرد پالیسی سرمایہ دارانہ نظام سے تنگ آئی ہوئی دنیا کے لیے ایک روشن مثال ہوگی۔

افراطِ زر (مہنگائی)

ا) مقدمہ: قیمتوں میں مسلسل اور شدید اضافے کی وجہ کاغذی کرنسی ہے جس کی قیمت کم ہوتی رہتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد سونے اور چاندی پر نہیں ہوتی۔

ڈالر، پاؤنڈ، فرانک وغیرہ کی مانند پاکستانی روپے کی بنیاد بھی اصل دولت یعنی قیمتی دھات پر ہوتی تھی۔ ڈالر کی بنیاد سونے پر جبکہ روپے کی بنیاد چاندی پر ہوتی تھی۔ اس نظام نے کرنسی کی قدر و قیمت کو اندرون ملک اور بیرون ملک بین الاقوامی تجارت میں استحکام فراہم کر رکھا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سونے کی جو قیمت 1890ء میں تھی وہی قیمت کم و بیش 1910ء میں بھی تھی۔ آج دنیا میں اس قدر سونا اور چاندی موجود ہے جو دنیا کی اصل معیشت یعنی کاروباری معاملات جیسے خوراک، کپڑے، رہائش، اشیائے تعیش، صنعتی مشینری، ٹیکنالوجی اور دیگر اشیاء کی خرید وفروخت کے لیے کرنسی کے طور پر درکار ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے کرنسی کی پیداوار کی طلب میں اس قدر اضافہ کر دیا جسے سونے اور چاندی کے ذخائر پورا نہیں کر سکتے تھے۔ ریاستوں نے قیمتی دھات کے پیمانے کو چھوڑ دیا لہٰذا کرنسی نوٹ کی بنیاد کسی قیمتی دھات کی بجائے اس نوٹ کو جاری کرنے والی ریاست کی طاقت پر اعتماد ہوگئی، جس کے نتیجے میں ریاستوں کے پاس زیادہ سے زیادہ کرنسی نوٹ چھاپنے کا اختیار آ گیا۔ اب کرنسی کی مضبوطی کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی بنیاد سونا یا چاندی نہیں رہے جس کے نتیجے میں ہر نیا چھپنے والا نوٹ پہلے نوٹ کے مقابلے میں کم قدر و قیمت رکھتا ہے۔ چونکہ کرنسی نوٹ اشیاء اور خدمات کے تبادلے میں استعمال ہوتے ہیں اس لیے کرنسی کی قدر و قیمت کا مکمل خاتمہ تو نہیں ہوتا لیکن اس میں مسلسل کمی ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ خریداری کے لیے کرنسی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اشیاء اور خدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا روپیہ جو برطانوی قبضے سے قبل 11 گرام چاندی کے برابر قیمت رکھتا تھا

اب دو سو سالہ سرمایہ دارانہ نظام سے گزرنے کے بعد ایک گرام چاندی کے نو سو وے (1/900th) حصے کے برابر قیمت رکھتا ہے۔ 14 جون 1994 کو ایک ڈالر خریدنے کے لیے 30.97 روپے درکار تھے۔ پھر مشرف اور شوکت عزیز کی حکومت میں جمعہ 15 اگست 2008 کو ایک ڈالر کی قیمت بڑھ کر 76.9 روپے ہوگئی جب پاکستان میں افراط زر تیس سالہ تاریخ میں اپنی بلند ترین سطح پر تھا۔ اور اب جنوری 2013 میں کیانی، زرداری حکومت میں ایک ڈالر کی قیمت 98 روپے سے بڑھ چکی ہے۔ ہر گزرتے سال کے ساتھ روپے کی قدر میں کمی کے ساتھ اس کی قوت خرید بھی کم ہوتی جارہی ہے جبکہ قیمتیں اس قدر بڑھتی جارہی ہیں کہ اکثر لوگوں کے لیے گوشت خریدنا ناممکن، پھل خریدنا عیاشی اور سبزیوں کی خریداری ایک بوجھ بن گئی ہے۔ آج روپے کی قیمت کچھ دہائیوں قبل پیسے کی قیمت سے بھی کم ہوگئی ہے۔ حکمرانوں کے دعوں کے برعکس روپیہ کسی بھی وقت ردی کے کاغذ میں تبدیل ہوسکتا ہے جس کے نتیجے میں قیمتوں میں انتہائی زبردست اضافہ ہوجائے گا۔ لیکن اس کے باوجود حکومت مسلسل نوٹ چھاپ رہی ہے جس کے بہت ہی خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں اور یوں حکومت کرنسی کی قبر کھود رہی ہے جو معیشت کے لیے خون کی حیثیت رکھتی ہے۔

ب) اہم سیاسی پہلو: ان عوامل کا تدارک کہ جن کی بنا پر سونے اور چاندی کے محفوظ ریاستی ذخائر سے زائد کرنسی چھاپنے کی ضرورت پڑتی ہے

ب 1: حالیہ افراطِ زر کی ایک بڑی وجہ بجٹ کے خسارہ کو پورا کرنے کے لیے حکومت کا مسلسل قرض پر انحصار ہے۔ حکومت کا قرض اس وقت تمام حدود و قیود عبور کر چکا ہے۔ سٹیٹ بینک کے مطابق ملک کا مجموعی قرض 15.2 ٹریلین روپے کی بلند ترین سطح پر ہے جو کہ ملک کی معیشت کے مجموعی حجم کا 68 فیصد ہے۔ عمومی طور پر حکومت قرض یا تو اپنی معیشت سے یعنی بینکوں اور بڑے سرمایہ داروں سے سود پر حاصل کرتی ہے یا سٹیٹ بینک یعنی اپنے مرکزی بینک سے۔ حالیہ برسوں میں بجٹ کے خسارہ کو پورا کرنے کے لیے حکومت نے سٹیٹ بینک سے بے تحاشہ قرض کے

حصول پر انحصار کیا ہے۔ اس اقدام کو ماہرینِ معاشیات نوٹ چھاپنے کے عمل سے تعبیر کرتے ہیں جس سے کرنسی کے حجم میں اضافہ ہوا جو کہ افراطِ زر پر منتج ہوا۔ بجٹ کے خسارہ کو مسلسل نوٹ چھاپ کر پورا کئے جانے کا لازمی نتیجہ بڑھتا ہوا افراطِ زر ہی ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ 2008 سے بجٹ کا اوسط خسارہ GDP کے 6 فیصد کے قریب رہا۔ جب حکومت یہ قرض اپنے کمرشل بینکوں سے حاصل کرتی ہے تو ان بینکوں کے reserves میں کمی واقع ہوتی ہے جس کو پورا کرنے کے لئے وہ مرکزی بینک سے قرض حاصل کرتے ہیں اور جس سے بھی معیشت میں کرنسی کا حجم بڑھ جاتا ہے جو افراطِ زر کا باعث بنتا ہے۔ المختصر، اس سرمایہ دارانہ نظام کی معیشت میں مسائل کا ہر حل نئی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ب2: سرمایہ دارانہ نظام میں برآمدات اور درآمدات میں توازن پیدا کرنے کے لیے روپے کی قدر کم کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں افراط زر پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ہمارا صنعتی شعبہ کمزور ہے اور ہماری درآمدات، برآمدات کے مقابلے میں ہمیشہ زائد ہوتی ہیں۔ لہٰذا پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومت آئی. ایم. ایف (I.M.F) کے حکم پر روپے کی قدر کو کم کر دیتی ہے۔ روپے کی قدر میں کمی کرنے کا مقصد پاکستان کے تجارتی توازن کو بہتر کرنا بتایا جا تا ہے۔ ریاست تجارتی توازن حاصل کرنے کے لیے درآمدات کی حوصلہ شکنی کرتی ہے جبکہ اندرون ملک تیار ہونے والی اشیاء کو زیادہ سے زیادہ برآمد کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ لیکن روپے کی قدر میں کمی کی وجہ سے پاکستان کی پیداواری لاگت میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں زراعت، ٹیکسٹائل اور معیشت کے دوسرے شعبوں میں ایک افراتفری مچ جاتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی بلند شرح سود کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا مہنگے قرضے اور پیداواری لاگت میں اضافہ بہت سی کمپنیوں اور صنعتوں کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتا کہ وہ بین الاقوامی مارکیٹ میں مقابلہ کر سکیں۔ جب پاکستانی مصنوعات مہنگی ہونے کی وجہ سے کوئی خریدار نہیں ڈھونڈ پاتیں تو پاکستان کی اہم برآمدی اشیاء کی برآمد میں کمی آجاتی ہے اور پاکستان کی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جاتا ہے۔ یہ معاملہ اس وقت

مزید گھمبیر ہو جاتا ہے جب درآمدات کا سلسلہ ویسے ہی جاری وساری رہتا ہے۔ دنیا کی چوتھی بڑی زرعی معیشت ہونے کے باوجود پاکستان اشیائے خوردونوش درآمد کرنے والا ملک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان اشیائے خوردونوش کی درآمد پر، روپے کی قدر میں کمی وجہ سے، زیادہ خرچ کرتا ہے، نتیجتاً اندرون ملک کھانے پینے کی اشیأ مزید مہنگی ہو جاتی ہیں۔ حالیہ سالوں میں ڈالر کی گرتی ہوئی قیمت اور پاکستانی روپے کا اس سے منسلک ہونے کی وجہ سے اشیائے خوردونوش کی مہنگائی میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ نوٹ چھاپنے کی ناکام پالیسی کو چھپانے اور ادائیگیوں کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت پاکستان کا تارکین وطن کی بھیجی ہوئی رقوم اور اشیائے خوردونوش جیسے چاول، گندم کی برآمدات پر انحصار بڑھتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں ان اشیاء کی اندرونِ ملک قلت ہو جاتی ہے اور ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اتنی محنت سے کمایا ہوا زرمبادلہ، ملکی معیشت میں نہیں ڈالا جاتا بلکہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے واپس بیرون ملک بھیج دیا جاتا ہے جس سے غیر ملکی معیشتیں مضبوط ہوتی ہیں۔ لہٰذا حکومتِ پاکستان ادائیگیوں میں آنے والے فرق کو پورا کرنے کے لئے بین الاقوامی اداروں سے مزید قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے جس سے اس کے مسائل میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ نئے قرضے سود پر حاصل کیے جاتے ہیں اور دیگر ''ترقی پزیر'' ممالک کی طرح پاکستان بھی اصل قرضے کی رقم بھی کئی بار ادا کر دینے کے باوجود قرضے سے نجات حاصل نہیں کر پاتا کیونکہ یہ قرضے ایسی شرائط کے ساتھ آتے ہیں جن سے معیشت مزید کمزور ہوتی ہے، شرح سود بڑھتی ہے، کرنسی کی قیمت کم ہوتی ہے اور زرعی اور صنعتی شعبے کی پیداوار زوال پزیر ہو جاتی ہے۔

ب 3: مسلمانوں کے لیے سونے اور چاندی کے پیمانے کی جانب دوبارہ لوٹنا عملی طور پر ممکن ہے۔ جن مسلم علاقوں میں خلافت کے دوبارہ قیام کے امکانات ہیں وہ سونے اور چاندی کے وسائل سے بھرپور ہیں جیسے پاکستان میں سینڈک اور ریکوڈیک کا وسیع علاقہ۔ امت کے پاس ایسے وسائل ہیں جن کی دوسرے ممالک کو شدید ضرورت ہوتی ہے جیسے تیل، گیس، کوئلہ، معدنیات

اور زرعی اجناس جن کے بدلے سونا اور چاندی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ نیز آنے والی خلافت جدید صنعتی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کرے گی جن کی برآمد سے بھی سونا اور چاندی حاصل ہوگا۔ جو مسلم علاقوں میں موجود بینکوں میں غیر ملکی اثاثے جیسے ڈالر، یورو اور پاونڈ سٹرلنگ موجود ہیں اور انھیں بھی تبادلے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مسلم علاقے بنیادی ضروریات کے حوالے سے خودکفیل ہیں لہٰذا حقیقی معیشت مستحکم ہوگی اور غیر حقیقی معیشت (سٹاک مارکیٹ، ڈیری ویٹوز وغیرہ) کے خاتمے کے بعد معیشت سٹے بازی کے اثرات سے بھی محفوظ ہو جائے گی۔

ج) قانونی حکم: سونے اور چاندی کے پیمانے کی واپسی

ج1: اسلام نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ ریاست کی کرنسی کی بنیاد قیمتی دھات کی دولت کو ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں افراط زر کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سونے کے دینار، جن کا وزن 4.25 گرام اور چاندی کے درہم، جن کا وزن 2.975 گرام ہو، ریاست کی کرنسی کے طور پر استعمال کریں۔ اس وجہ سے ہزار سال تک ریاستِ خلافت میں قیمتوں کو استحکام حاصل رہا۔ آج خلافت تانبے اور زرمبادلہ کے ذخائر کو سونے اور چاندی کی خریداری کے لیے استعمال کرے گی اور بین الاقوامی تجارت کے نتیجے میں ملک میں آنے اور جانے والے سونے کی مقدار پر نظر رکھے گی اگرچہ مسلم دنیا اکثر معاملات میں خودکفیل ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی تجارت میں سونے اور چاندی کا کرنسی کے طور پر دوبارہ اجرأ امریکہ کی عالمی تجارت میں بالادستی کے خاتمے کا باعث بنے گا کیونکہ اس وقت امریکہ دنیا کو بین الاقوامی تجارت کے لیے ڈالر کے استعمال پر مجبور کر دیتا ہے۔

جیسا کہ حزب التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 166 میں اعلان کیا ہے کہ ''ریاست اپنی ایک خاص کرنسی، آزادانہ طور پر جاری کرے گی اور اس کو کسی غیر ملکی کرنسی سے منسلک کرنا جائز نہیں''۔ اسی طرح دستور کی دفعہ 167 میں لکھا ہے کہ ''ریاست کی نقدی (کرنسی)

سونے اور چاندی کی ہوگی، خواہ اسے کرنسی کی شکل میں ڈھالا گیا ہو یا نہ ڈھالا گیا ہو۔ ریاست کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کوئی نقدی جائز نہیں۔ تاہم ریاست کے لئے سونا چاندی کے بدل کے طور پر کوئی اور چیز جاری کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ریاست کے خزانے میں اتنی مالیت کا سونا چاندی موجود ہو"۔ ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعہ 168 کے مطابق "اسلامی ریاست اور دوسری ریاستوں کی کرنسیوں کے مابین تبادلہ جائز ہے جیسا کہ اپنی کرنسی کا آپس میں تبادلہ جائز ہے"۔

ج2: ریاستِ خلافت کا سٹیٹ بینک ایک مالیاتی ادارہ ہوگا جس کا کام حقیقی معیشت جیسے زراعت اور صنعتوں میں ترقی اور اضافے کے لیے مدد فراہم کرنا ہوگا۔ ریاست خلافت کا سٹیٹ بینک کوئی خون چوسنے والا ادارہ نہیں ہوگا جو سود کے ذریعے معیشت سے خون نچوڑتا ہو جیسا کہ آج کے بینک کرتے ہیں یعنی مسلسل کرنسی کے پھیلاؤ کی ضرورت کو پیدا کرنا، کرنسی کی قیمت میں کمی اور اس کے نتیجے میں مہنگائی میں اضافہ۔ ریاست خلافت میں سٹیٹ بینک کا واحد مقصد قرضوں کے ذریعے مقامی زرعی اور صنعتی شعبے کو مدد فراہم کرنا اور ایک متحرک اور طاقتور معیشت کو قائم کرنا ہوگا۔

جیسا کہ حزب التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 169 میں اعلان کیا ہے کہ "بینک کھولنے کی مکمل ممانعت ہوگی اور صرف اسٹیٹ بینک موجود ہوگا۔ کوئی سودی لین دین نہ ہوگا اور اسٹیٹ بینک بیت المال کے محکموں میں سے ایک محکمہ ہوگا"۔

ج3: اگر خلافت پاکستان میں قائم ہوتی ہے تو معیشت کو تباہ کرنے اور پھر مزید قرضوں کے حصول کے لیے بھیک مانگنے کی بجائے دنیا بھر میں مغربی استعماری سود پر مبنی قرضوں کے نتیجے میں ہونے والے ظلم کے خلاف عالمی رائے عامہ کو متحرک کرے گی۔ یہی وہ ظلم پر مبنی نظام ہے جو کئی ممالک کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے سے روکتا ہے۔ یہ نظام قرضوں کے ساتھ ایسی شرائط عائد کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں معیشت کا دم گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ معیشت کی اصل قرض کی رقم سے بھی کئی گنا زائد سود دینے کے باوجود قرضے سے جان نہیں چھوٹتی۔ جیسا کہ حزب

التحریر نے ریاست خلافت کے دستور کی دفعہ 165 میں اعلان کیا ہے کہ ''یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ یہ غیر ملکی سرمایہ ہی ہے جو اسلامی علاقوں میں کفار کے قدم جمانے اور ان کے اثر و نفوذ کو مضبوط کرنے کا سبب رہا ہے اور کفار کو مسلمانوں کے علاقوں میں قدم جمانے کی اجازت یا سہولت دینا حرام ہے''۔

نوٹ: خلافت کے قیام کے فوراً بعد کرنسی سے متعلق دفعات کو نافذ کیا جائے گا۔ ان دفعات کے قرآن وسنت سے تفصیلی دلائل جاننے کے لیے حزب التحریر کی جانب سے جاری کیے گئے ریاستِ خلافت کے دستور کی دفعات 169,168,167,166,165 کی طرف رجوع کریں۔ متعلقہ آئینی دفعات کو دیکھنے کے لیے اس ویب سائٹ لنک کو دیکھیں۔

http://htmediapak.page.tl/policy-matters.htm

د) پالیسی: خلافت کو دنیا کے سامنے ایک معاشی ماڈل کے طور پر پیش کیا جائے گا

د1: حقیقی دولت کے ذریعے یعنی سونے اور چاندی کے ذریعے کرنسی کو مستحکم اور طاقتور کیا جائے گا تا کہ عمومی افراطِ زر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جس نے گھروں، صنعتوں اور زراعت کو مفلوج کر دیا ہے۔

د2: نجی بینکوں کے سودی بینکاری کے کاروبار کا خاتمہ اور بیت المال کے تحت اداروں کا قیام یعنی اس کی شاخیں جو غیر سودی قرضے فراہم کریں گی تا کہ ایک متحرک معیشت کے لیے زرعی اور صنعتی شعبوں کو مالیاتی مدد فراہم کی جائے۔

د3: عالمی سطح پر استعماری قرضوں کے خاتمے کے لیے کام کرنا تا کہ وسائل رکھنے کے باوجود قوموں کو بھکاری بنا دینے کے سلسلے کا خاتمہ ہو سکے۔